لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت اور جوش خطابت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ہندوستانی مسلمانوں کی ان کمزوریوں میں جو اس اخیر دور میں (اور کہا جا سکتا ہے کہ تحریک خلافت کے بعد جس کا بلاشبہ ہندوستانی مسلمانوں کی بیداری میں بڑا حصہ ہے) ان کا قومی مزاج بن گئی ہیں۔ ان کی حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت اور جوش خطابت ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حوادث اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنے اور نازک و اہم ذمہ داریوں اور آزمائشوں سے عزت کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لیے عزم راسخ، جذبۂ قومی، مہم جوئی و خطر پسندی کا بڑا دخل ہے، اور قوموں اور ملتوں کی تاریخ میں اس کی کھلی شہادتیں ملتی ہیں۔ لیکن دانشمند اور فرزانہ قیادتوں کو اس جذباتیت، قلبی جوش و تاثر اور اس کے لیے مؤثر اور شعلہ نوا خطابت سے بڑے احتیاط و تناسب کے ساتھ کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ کچھ دنوں کے بعد یہ جذباتی ہیجان اور یہ آتش نوائی اپنا اثر کھو دیتی ہے اور بھیڑیا آیا! بھیڑیا آیا! کی قدیم کہانی دہرائی جاتی ہے۔

پھر یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہیئے کہ الفاظ کا بھی ایک درجۂ حرارت و برودت اور خاص (TEMPERATURE) ہوتا ہے اگر معمولی حرارت کے موقع پر آخری درجۂ حرارت کے الفاظ استعمال کر لیے جائیں۔ تو وہ الفاظ کا غلط استعمال، محل و مقام سے صرف نظر اور سامعین کے ساتھ ایک طرح کا دھوکہ ہوگا۔ حقیقت پسند اور تعمیری ذہن رکھنے والی بامقصد قومیں اور ملتیں اور ان کے قائد و رہنما اس بارے میں بڑے محتاط و حساس ہوتے ہیں جس طرح زر و مال کے معاملہ میں اسراف، فضول خرچی اور حد سے تجاوز مذموم ہے، ایسے ہی الفاظ میں معاملہ خصوصاً جب وہ قوموں اور ملتوں کی زندگی میں فیصلہ کن کردار ادا کریں۔ اور ان کو بعض اوقات اپنی جان پر کھیل جانے پر آمادہ کر دیں۔ اور ان کے نتیجہ میں بعض ایسے واقعات و نتائج رونما ہوں جن کی تلافی ممکن نہ ہو سکے۔ زر و مال سے زیادہ (جن کا اثر افراد و خاندانوں تک محدود رہتا ہے) الفاظ کے استعمال اور سامعین کو جوش دلانے کے بارے میں زیادہ احتیاط و اعتدال کی ضرورت ہے۔

جوش انگیز تحریکوں کے بعد سے دیکھا جا رہا ہے کہ ایسے جلسوں میں بھی جن کا مقصد اصلاحی و تعمیری یا اپنے ملی مسائل اور شکایت کا پیش کرنا ہوتا ہے، جلسہ کے مقررین کے درمیان سامعین کے جذبات کو برانگیختہ کرنے اور خطابت کا جوہر دکھانے کا مقابلہ شروع ہو جاتا ہے، اور جو الفاظ انتہائی ضرورت کے موقع پر استعمال کیے جانے چاہئیں وہ بے تکلف روزمرہ کے جلسوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ایک مقرر کے بعد دوسرا مقرر آتا ہے تو پہلے کو اپنی آتش نوائی اور سحر انگیزی سے بھلا دینا چاہتا ہے، اگر ایک کہتا ہے کہ "ہم قطب مینار کھڑا کر دیں گے" تو دوسرا کہتا ہے کہ "ہم خون کا بحر احمر جاری کر دیں گے" علیٰ ہٰذا القیاس پھر جب ان آخری لفظوں کے بعد بھی کوئی عملی نتیجہ نہیں نکلتا تو سننے والوں پر یہ الفاظ بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور ان کی قوت عمل کو نقصان پہنچانے کے سوا ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

باقی صـ پر

Regd. No. LWINP56

Office : 72338
Princi.: 72336
G.House: 73864

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW (India)

کتاب کا علم سے گہرا رشتہ ہے

جو دین قرآن جیسی کتاب پیکر انسان کو قلم کے ذریعہ علم دیا گیا اس لیے آپ بھی اسلامی کتابوں سے استفادہ کیجئے

جو ذہن و دماغ میں انقلاب اور زندگی میں عظیم تبدیلی لا سکتی ہیں

ندوۃ ایجنسی و دار المطالعہ

(ارم کالج مظفر پور حیدرآباد۔ ۲۲ یوپی ۲۹۱۰۱ پن)

گزشتہ چند برسوں سے اسلامی کتابوں کی نشر و اشاعت کا کام کر رہا ہے جہاں آپ کو عرب و عجم کی ممتاز علمی شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی و مشہور عالم دین مولانا محمد منظور نعمانی و دیگر اہل قلم علمائے حقانی کی مایہ ناز کتابیں دستیاب ہیں۔ نیز ندوۃ ایجنسی کی جانب سے ایک اہم و معرکۃ الآراء کتاب "رویت ہلال کا مسئلہ" (اشاعت ثانیہ) نہایت دیدہ زیب کتابت فوٹو آفسیٹ پر معیاری طباعت کے ساتھ شائع کی گئی ہے جو مشہور اہل قلم مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قلم کا شاہکار اور علمی تحقیق کا نتیجہ ہے جس کو اہل علم نے اس موضوع کی مایہ ناز تصنیف قرار دیا ہے۔ بکڈپو، مکتبہ الفرقان اور مکتبہ اسلام سے کتاب طلب فرما سکتے ہیں۔

یہ کتابیں ۲۵ فیصد ڈسکاؤنٹ پر دستیاب ہیں۔

دار المطالعہ ندوہ میں آپ کتابیں رسائل پڑھ سکتے ہیں اور مستعار بھی لے جا سکتے ہیں

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

پھر ابھر کر آفتاب زندگی بن جایئے
وقت کی تاریکیوں میں روشنی بن جایئے
عہد نو پھر منتظر ہے اپنے ابراہیمؑ کا
ہو سکے تو آپ ہی وہ آدمی بن جایئے

زیست کے ہر کرب پر رنج و الم کے باوجود
غیر سے ملئے تو سرتاپا خوشی بن جایئے
کرب کے ماروں کو جو بخشے سرور و انبساط
چہرۂ اخلاص کی ایسی ہنسی بن جایئے

دھوپ میں تو بن کے رہئے ایک نخل سایہ دار
اور اندھیرے میں دلوں کی روشنی بن جایئے
پھر زمانہ آپ کے قدموں کو چومے گا طفیلؔ
حامل فکر و شعور و آگہی بن جایئے

تعمیر حیات بمبئی میں

تعمیر حیات خریداری کے سلسلہ میں عباس علاء الدین ٹی مرچنٹ۔
۴۴، حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ، بلنار، بمبئی ۴۰۰۰۰۳
سے رابطہ قائم کریں۔

نورانی تیل®

درد، زخم، چوٹ کی بہترین دوا

لیبل پر ڈرگ لائسنس نمبر U-18/77 اور کیپ سول پر ⊕ مارکہ ضرور دیکھیں
انڈین کیمیکل کمپنی کی کہیں کوئی برانچ نہیں ہے دھوکہ نہ کھائیں۔ مئو کا بنا اصلی نورانی تیل مئو کا پتہ دیکھ کر خریدیں۔

INDIAN CHEMICAL MAU.N.B. 275101

بمبئی میں

مٹھاس کی دنیا کا ایک ہی نام

★ انواع و اقسام کی خوش ذائقہ و دل پذیر مٹھائیاں
★ دیسی گھی زعفران و میوے سے بھرپور۔

طہورا سوئیٹس

اسپیشل افلاطون ● مینگو برفی ● ڈرائی فروٹ برفی ● انجیر برفی ● پائن ایپل برفی ● ڈنگ لڈو ● تنیسہ لڈو ● قلاقند اور نان خطائی

ناگپاڑہ جنکشن ۲۵/۴۵ ۲۲۵ بلاسس روڈ بمبئی ۸
فون ۳۰۹۱۳۱۸-۳۰۸۲۷۷۳

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲۹ | ۱۰/ اکتوبر ۱۹۹۲ء — مطابق ۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ | شمارہ ۲۳

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ادارۂ تحریر

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی — مولانا عبد اللہ حسنی ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید

خط و کتابت و منی آرڈر کا پتہ

تعمیر حیات پوسٹ بکس 93

ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

زرِ تعاون ملکی

سالانہ — پچاس روپے

فی شمارہ — ۲/۲۵

بیرونِ ملک فضائی ڈاک

ایشیائی - یورپی - افریقی و امریکی ممالک

۲۵ ڈالر

بیرونِ ملک بحری ڈاک

بحری ڈاک جملہ ۱۰ ڈالر

نوٹ :-

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں، اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہونچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں

خریداری نمبر نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر پرچہ جاتا ہے اس کی صراحت کی جائے

اور اگر جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں

ادارہ

(مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

اہلِ اسلام
افغانستان سے بوسینا تک

نئی صدی ہجری مسلمانوں کے لیے ایسے حالات لے کر آئی جو گزشتہ صدیوں سے خاصے مختلف ہیں، گزشتہ قریبی صدیوں میں مسلمان قومیں عموماً پوری طرح غلام تھیں، ان کو یورپ کی استعماری طاقتوں نے اپنے پیروں کے نیچے دبا رکھا تھا ان میں سے جہاں سے بھی مخالفت کی آواز اٹھتی تھی وہ بندوق و جیل کی طاقت سے دبا دی جاتی تھی، ان ممالک کو اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے بے سر و سامان بنائے رکھا گیا تا کہ ان کے یورپ سے برابر ہو سکنے کی منزل تک پہنچنے کا خطرہ نہ رہے، ان استعماری طاقتوں نے ان ممالک میں جو تعلیمی نظام چلایا وہ غلام باقی رکھنے کے اسباب مہیا کرتا اور زیادہ سے زیادہ نوکر شاہی کی صلاحیت پیدا کرتا تھا یورپ کے استعماری غلبہ اور تمدنی عسکری طاقت کو دیکھتے ہوئے ان ممالک کی آزادی کی راہ کھلتی نظر نہیں آتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کن فیکون کی قدرت رکھتا ہے اور جس نے "وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ" کہ ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو کمزور بنائے رکھا گیا ہے۔ کا اعلان فرمایا ہے ان ممالک کی آزادی کا فیصلہ فرمایا اور یہ استعماری طاقتیں خود ہی آپس کی زبردست جنگ میں مبتلا ہو کر اتنی کمزور اور بے بضاعت ہو گئیں کہ انھوں نے باعزت طریقہ سے غلام ممالک سے نکل آنے کا فیصلہ کیا لیکن ان ممالک کو مکمل آزاد کرنے پر آمادہ نہ ہو سکیں ان کے نظام حکومت اور نظام اقتصادیات کو اپنا محتاج باقی رکھا اور ان کو اپنے زیر اثر رکھنے کے لیے ایسے وفادار شہری تیار کیے جنھوں نے یورپ کی غلامی کی ذہنیت کے ساتھ ان ملکوں کے نظام کو چلایا۔ استعماری طاقتوں نے اپنے پرانے طریقے کو بدل کر نیا طریقہ اختیار کیا کہ یہ سابق غلام قومیں ظاہر میں آزاد مملکت ہوں اور بہ باطن یورپ کی پوری غلام، نظام تعلیم میں، نظام سیاست میں، اقتصادی اصولوں میں، سب میں اپنے پسندیدہ راستے پر لگایا اور پھر اپنے وفادار عناصر کو ان کا رہنما قائد اور مفکر بنا دیا، جن کا کام مسلمانوں کو غیروں کا تابع رکھنا، ان میں غیروں کے مقابلہ میں احساس کمتری پیدا کرنا، لادینی ذہن بنانا اور اسلامی چھاپ کے فکر و عمل سے پھیرنا رہا، یہ لوگ عموماً مغربی ساخت و مزاج کی درس گاہوں کے تربیت یافتہ یا یورپ کی برتری کے احساس کے مارے ہوئے تھے، چنانچہ انھوں نے ظاہری غلامی کے ختم ہونے پر بھی ذہنی و عملی غلامی کو ختم ہونے نہیں دیا، اس سلسلے میں سب سے بڑا حربہ، تعلیم، صحافت رہا اور بحث و تحقیق کے نئے وسائل اختیار کیے جاتے رہے، اور افسوس ہے کہ مسلمانوں نے غلامی کی ان نئی شکلوں کو سمجھنے اور سمجھ کر ان کے بدلنے کی سنجیدہ کوششیں نہیں کیں اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی اسلامی حرکت و جد و جہد کو یا تو پیدا نہیں ہونے دیا گیا اور اگر کچھ پیدا ہوئی تو اس کے ذمہ داروں اور رہنماؤں میں پھوٹ پیدا کی گئی اور آپسی ٹکراؤ پیدا ہونے کے اسباب مہیا کر دیے گئے، افراد کی شخصیت سازی میں تربیت، تعلیم، اور اطلاعاتی ذرائع کا جو غیر معمولی دخل ہے وہ تاریخ و ثقافت سے واقف لوگوں سے مخفی نہیں ہے، مسلمانوں کو ان سے صحیح فائدہ اٹھانے سے دور رکھنے اور خود مسلمانوں کی طرف سے ان ذرائع سے صحیح فائدہ اٹھانے میں جو غفلت ہوئی اس کا غیر معمولی اثر آج ہر طرف نظر آ رہا ہے۔

آج ہم کو جو دردناک صورت حال نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی چھوٹی سے چھوٹی وحدت بھی جو خالص اسلامی اصولوں پر مبنی ہو قائم نہیں رہ پاتی، آپسی، فردی یا شخصی اختلافات کا شکار ہو جاتی ہے ایسی حکومتیں جو مسلمانوں کے لیے آزادانہ نظام بنائیں اور چلائیں، ابھرنے نہیں پاتیں آپس کی شخصی یا فردی رسہ کشی کا شکار ہو جاتی ہیں یا دوسروں

درس حدیث

نیکی اور گناہ

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی — ترجمہ شمس الحق ندوی

عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البر والاثم فقال: البر حسن الخلق، والاثم ما حاك في نفسك وكرهت أن يطلع عليه الناس۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نیکی اچھے اخلاق کو کہتے ہیں اور گناہ ایسے کام کو کہتے ہیں جو تمہارے دل میں کھٹکے کہ درست ہے کہ نادرست اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کا پتہ چلے۔

حدیث کا عام مطلب

نیکی ایسے خیال و تصور، احساس اور ایسے اعمال و برتاؤ کو کہتے ہیں جس کے اثرات فرد اور جماعت کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر وہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس نیکی کا اثر سب سے پہلے اچھے اخلاق کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ حسن خلق ایسا جامع لفظ ہے جو عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی، شرافت نفس اور خاندان کی اچھائی اور قرابت و رشتہ داری کی باہم پیوستگی پر بھی مشتمل ہے اور یتیموں کی دیکھ بھال اور ضائع ہونے سے ان کی حفاظت و نگرانی بھی اس میں شامل ہے۔ یہ حسن اخلاق مسلم معاشرہ میں غربت و فقر کے مارے ہوئے لوگوں کی فکر و مدد اور ان کو اپنی ہمدردی اور کفالت کا احساس دلانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس میں کسی بھی شخص کی طرف سے غفلت و لاپرواہی نہیں برتی جاتی تنگی کے وقت میں کمزوروں اور

کبھی حسن اخلاق ہی کا ظہور ہوتا ہے جیسے کہ اچھی طرح سے نماز کا ادا کرنا عہد کا پورا کرنا، فقر و فاقہ اور پریشانی کے حالات میں صبر و رضا بالقضا حسن اخلاق ہی کا مظہر ہوتا ہے تا کہ یہ امت اپنی زبردست ذمہ داری کو سنبھال سکے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز سے حسن اخلاق کی دعوت دی ہے۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا "إن من أحبكم إلي وأقربكم مني مجلسا يوم القيامة أحاسنكم أخلاقا"

تم میں مجھ کو سب سے محبوب اور قیامت کے دن سب سے زیادہ مجھ سے قریب بیٹھنے والا وہ شخص ہو گا جس کے اخلاق تم میں سب سے اچھے ہوں گے۔

خوش دلی و بشاشت کے ساتھ لوگوں سے ملنا، تواضع اور محبت سے پیش آنا یہ سب نیکی اور حسن اخلاق میں شامل ہیں قرآن میں بھی "بر" یعنی نیکی کا ذکر متعدد موقعوں پر آیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منھ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود

اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکالیف میں، اور (معرکۂ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے ہیں اور یہی ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

یہ ایک آیت عقیدہ کے اصول اور جان و مال کی ذمہ داریوں کی جامع ہے اور ان سب کے لیے عنوان ایک ہی اپنایا ہے اور وہ البر ہے

واقعہ یہ ہے کہ "البر" کا لفظ اسلامی تصور اور اسلامی اصولوں اور اس کے دستور کامل کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔

رہا "اثم" یعنی گناہ کا لفظ تو جب ایک مسلمان نیکی کے وسیع معانی کو سمجھ لیگا تو گناہ بھی اس کی سمجھ میں آ جائے گا۔ قلب سلیم و طاہر ہر ناپسندیدہ کام کرنے میں متردد ہو گا اور ہر مشتبہ کام سے دور رہے گا۔ اگر خدانخواستہ کسی نامناسب کام کو کرنے پر مجبور ہو گا تو لوگوں سے چھپے گا اس کو یہ گوارہ نہ ہو گا کہ لوگوں کو اس کے اس عمل کا علم ہو جائے، اس لیے کہ مسلم معاشرہ روئے زمین پر لوگوں کو خدا کا گواہ سمجھتا ہے۔

حدیث کے فقہی پہلو

اس حدیث پاک سے عرف کا تعین ہوتا جو فقہی اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ احناف اور مالکیہ نے اس کو اختیار کیا ہے اور اس کا ثبوت و جواز آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے ثابت کیا ہے

(ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن)

جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے۔ اور عرف سے ثابت ہونے والی چیز دلیل شرعی سے ثابت ہے۔

اثم (گناہ) کا لفظ چھوٹے بڑے سبھی گناہوں پر مشتمل ہے۔

موجودہ حالات سے حدیث کی تطبیق

۱۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ معیار و پیمانے ہیں جن سے انسان اپنے اعمال کو تولتا ہے، جو عمل شریعت کے مطابق ہو اور نفس اس سے مطمئن ہو وہ بر ہے اور اگر نفس منشرح نہیں ہوتا، اس کے کرنے میں تردد ہوتا ہے تو وہ کام "اثم" گناہ میں شمار ہو گا۔

۲۔ حدیث سے حسن اخلاق کو اپنانے پر ابھارنے اور آمادہ کرنے کا اہتمام ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ نرم طبیعت ہو، لوگوں سے بشاشت کے ساتھ ملے میٹھے بول بولے کہ خدا اور بندوں سب کو محبوب ہو۔

۳۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر شاگرد کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو استاد سے پوچھے۔

۴۔ جواب مختصر اور قابل فہم ہو۔

نعت

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

نہیں ہے پختہ ابھی تک مرا شعور جنوں
جہاں ہوں حضرت حسانؓ و کعبؓ بوصیریؒ
جو ہوں حضورؐ کے شایان شان بہر صورت
میں اپنے جوشِ عقیدت کو کھینچ کر دل سے
ہو جس میں حفظ مراتب کی قید ہر جانب
سمجھ میں آتی ہے لیکن اب ایک ہی صورت
الٰہی دے مجھے کوثر سے بادۂ گلگوں
محمدؐ عربی، سیدی و مختر می
بجا ہے ان کو اگر لکھوں سرور کونینؐ
انھیں کے نقش قدم کی ضیا سے روشن ہے
وہ جن کی سیرت و کردار کا جواب نہیں
بتائیں اہل بصیرت کہ ایسے انساں کو
مقام حمد پہ فائز ہیں جب مرے آقا
الٰہی دے مجھے کچھ ایسا جذبۂ الفت
رسولؐ کہیں بھی مگر دل کی آرزو ہے طفیلؔ

میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں
وہاں میں نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں
بتاؤ ڈھونڈھ کے لاؤں کہاں سے وہ مضموں
بشکل شعر بھلا کس طرح کروں موزوں
میں کیسے اس رہِ دشوار و سخت سے گزروں
کہ پہلے نصرت و تائیدِ ایزدی مانگوں
کہ جس کو پی کے میں نعتِ رسولِ پاک کہوں
خدا کے بعد ہے جن کا خیال وجہِ سکوں
درست ہے جو انھیں رحمتِ تمام کہوں
تمام عالمِ امکاں ز فرشِ تا گردوں
نہ کیسے میں انھیں مولائے انس و جاں سمجھوں
کہوں اگر نہ محبوب حق تو کس کو کہوں
تو ان کا خادم و مداح کیسے ہو مگر دوں
کہ نام سنتے ہی ان کا درود پڑھنے لگوں
مروں تو شہر رسالتمآبؐ ہی میں مروں

کی سازش کے ذریعہ ابھرے، بہر حال مغربی نظام تعلیم مغربی طرز سیاست اور مغربی طریقہ صحافت نے مسلمانوں کا ایسا ذہن بنا رکھا ہے اور برابر بناتا رہتا ہے جس میں ذاتی و شخصی مصلحت ہر دوسری مصلحت پر مقدم سمجھی جاتی ہے چنانچہ ان میں مال وجاہ کے لیے رسہ کشی اپنی بڑائی اور حیثیت کے لیے ایک دوسرے سے کشمکش اور لڑائی عام وطیرہ بنی ہوئی ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ملک ملک میں اور جگہ جگہ میدان کارزار گرم ہیں اور ان کشمکشوں کو حق و ناحق کی لڑائی سمجھا جا رہا ہے آج صومال میں کیا ہو رہا ہے، مسلمانوں کی قیادتوں نے مسلسل لڑتے رہ کر ملک کو بھوک و قحط کی دوزخ میں پہنچا دیا ہے اور دو گروپ یا متعدد گروپ حکومت و قیادت کی لڑائی میں مصروف ہیں، لاکھوں اشخاص بھوک سے مر رہے ہیں اور مغرب کی عیسائی مشنریاں، غذائی سامان عیسائیت کے پروپیگنڈہ کے سائے میں لے کر پہنچ رہی ہیں، دو گروپوں کی آپس کی لڑائی میں ملک و قوم کو جو نقصان پہونچا اس کی درستگی کے لیے وقت اور محنت کی جو ضرورت ہے اس کا موقع نکالنے کی فرصت نہیں مل رہی ہے اور ملک غیروں کے رحم و کرم پر آ گیا ہے۔

افغانستان میں ۱۵ لاکھ باشندوں کی قربانی سے حاصل ہونے والی آزادی کی ملکیت پر نبرد آزمائی چل رہی ہے قربانیوں اور جہاد کا سخت ترین مرحلہ تو اس قوم نے بحسن وخوبی گذار لیا لیکن صلح و امن کا زمانہ آپسی موافقت اور آپسی رواداری سے گذارنے کے عمل میں کوتاہی ہو رہی ہے، قائدین اچھے لوگ ہیں، جہاد کا زمانہ اتفاق و محبت سے گذارا اب امن قائم ہونے پر نظری اور قبائلی اختلاف پر پورا قابو نہیں پا رہے ہیں حالانکہ ملک روسی استعمار اور اس کے حامیوں کے ظلم و سفاکی کے نتیجے میں تباہیوں کے ملبے سے اور اس کی زمیں بارود کے زہر سے ابھی صاف نہیں ہو سکی ہے اور اس کو غیروں بلکہ مخالف اسلام طاقتوں کی مدد و احسان مندی کی محتاجی برابر قائم ہے اور اس کے دور کرنے کا موقع نہیں حاصل ہو رہا ہے۔

الجزائر میں ۱۵ لاکھ باشندوں کی قربانی کے بعد حاصل کی جانے والی آزادی کو مغربی ثقافت و فکر کی غلامی کے جوتے کے نیچے عرصہ سے کچلا جا رہا ہے اور وہاں کی حکومت میں جو تبدیلی آ رہی ہے مغربی استعمار کے اشارے اور سہارے سے آ رہی ہے اور بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے اب سال بھر سے جو تبدیلی آئی ہے وہ عوام اور حکومت کے درمیان سخت ٹکراؤ اور ظلم کی ہے۔ اور بوسنیا ایک زخم ہے جو ایک اسلام دشمن طاقت نے اسلام کے مظلوم و قہر زدہ وابستگان کے جسم میں لگایا ہے جس سے برابر لہو ٹپک رہا ہے۔ یوگوسلاویہ کی سابق کمیونسٹ حکومت میں بوسنیا ہرزے گووینا ملک کی مسلم اقلیت کی بڑی آبادی کا علاقہ ہے صوبوں کو آزادی ملنے پر ملک کی عیسائی اکثریتی فرقہ نے اس علاقہ پر اپنا کنٹرول کرنے کے لیے ہر قسم کا ظلم اختیار کیا جس کے شکار مسلمان ہیں ایک عیسائی اقلیتی فرقہ بھی ہے لیکن مسلمان زیادہ ہونے کے باعث ظلم کا اصل شکار ہیں، لاکھوں انسانوں کا قتل اور دیس نکالا ایسا ظلم ہے کہ متحدہ اقوام نے بھی اس پر احتجاج کیا، یہ مسلمان غیر معمولی صبر اور پامردی کا ثبوت دے رہے ہیں اور سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

لیکن دوسری طرف مسلمان ملکوں کا یہ حال ہے کہ جگہ جگہ حکومتوں، حکومتوں کے درمیان اور حکومت و عوام کے مابین لڑائی ہے، حکومتیں عام طور پر مغربیت کی وفادار اور عوام اسلام کی بالادستی کے خواہاں ہیں اور جہاں مسلمان حکومتیں نہیں ہیں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اکثریت واقلیت میں تنازع ہے اور مسلمان عوام کی قیادتیں آپس میں دست و گریباں ہیں، اور ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل پر کہ بچوں کے درمیان ہوتے تو ان کے بڑے ان پر ہنستے لیکن جب وہ بڑوں میں ہیں تو اب کون ہنسے؟ کسی کے سامنے اپنی وجاہ کا مسئلہ ہے تو وہ اس کے لیے آمادۂ فساد ہے، کسی کو اپنے مادی نفع وضرر کی فکر زیادہ ہے تو وہ اسی کے لیے ہر طرح کے عمل میں لگا ہے، کسی کو ترقی و شہرت کا شوق ہے تو وہ اسی کی مشغولیت میں سب کچھ بھولا ہوا ہے، کسی کو اپنی حق تلفی یا سبکی کا احساس، جنگ و جدل پر آمادہ کیے ہوئے ہے غرض کہ ایک منڈی ہے، بازار ہے جہاں سب کچھ چلتا ہے، نعرے حکمت عملی کے بغیر، دعوے اخلاص عمل سے خالی، اظہار عمل حقیقت سے عاری اور تعداد ہے لیکن کھوکھلی اور طاقت عمل سے خالی دنیا میں ایک خاصی بڑی تعداد میں بستی ہے جس کو دور کرنے کے لیے نہ آپس کا صحیح تعاون نہ مخلصانہ حکمت عملی، سچ کہا ہے حضور مقبول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہو جائے گی کہ دشمن قومیں ان پر اس طرح حملہ آور ہوں گی جیسے کھانے والے پلیٹوں پر گرتے ہیں، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا مسلمان اس وقت کم تعداد میں ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ غثاء کغثاء السیل سیلاب کے پانی میں جیسے جھاگ ہوتا ہے ویسے ہوں گے (یعنی نہ مقابلہ کی صلاحیت ہوگی نہ ٹھوس حقیقت)۔

کیا آج ہماری یہ حالت نہیں ہو رہی ہے کہ ہماری کیفیت و حقیقت پانی کے جھاگ سے زیادہ نہیں ہے، دنیا کی آبادی میں تنہا مسلمان ⅕ یعنی ایک ارب سے زیادہ ہیں اور انجمن متحدہ اقوام میں ان کے ملکوں کا تناسب ⅓ یعنی تعداد میں ۵۵-۶۰ حکومتوں تک پہونچ چکی ہے پھر ان کے مختلف متعدد علاقے معدنیات سے لبریز اور دولت سے بھرپور ہیں ان میں سے متعدد کا جائے وقوع ایسا کہ بڑی بڑی طاقتیں ان کی اجازت کی محتاج ہوتی ہیں اور ان کو راضی رکھنے کی فکر کرتی ہیں لیکن ان کے کسی حصہ پر افتاد پڑے تو وہ اس کو دور کرنے سے قاصر و عاجز ہیں بات یہ ہے کہ جب کوئی اپنے اندرونی بگاڑ سے نہ نکل سکے اپنے آپس کے جھگڑوں سے فرصت نہ پائے، اپنی آبرو و عزت کا خود ہی خیال نہ کرے تو بڑے معاملات میں وہ کیا کر سکتا ہے، وہ کسی کو کیا متاثر کر سکتا ہے، وہ کوئی بڑا کارنامہ کیا انجام دے سکتا ہے اس کو جب خود اپنوں سے مدد نہ ملے تو غیروں اور دشمنوں سے کیا مدد مل سکتی ہے جب تک ہم کو ملت کے فائدے کے خاطر اپنے ذاتی فائدہ کو چھوڑنا نہ آئے گا، خدا کی خوشنودی کے سامنے اپنی خوشنودی کو نظر انداز کرنا نہ آئے گا، اور جب تک ہم کو ملت کے اتحاد و عزت کے خاطر اپنی رائے کو دبانا نہ آئے گا اور جب تک ملت کو بڑا بنانے کے لیے خود چھوٹا بننے کو برداشت کرنا نہ آئے گا ہم دین و ملت بلکہ خود اپنے عظیم و اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے سے محروم رہیں گے ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے قول و عمل کا خود احتساب کرے کہ خود اس کی تمنا و خواہش سے اس کی کوشش و عمل کی ہم آہنگی ہو رہی ہے یا وہ ایک دھوکا ہے کیونکہ نتیجہ حقیقت واقعہ کے مطابق نکلتا ہے نہ کہ صرف خالی خولی خواہش اور محض حسن ظن کی بنا پر، پس مومن مخلص بننے کی ہے تاکہ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ "تم ہی سربلند ہو بشرطیکہ تم ایمان والے ہو۔" کا ہماری امت پر انطباق ہو سکے۔

❋❋❋❋

غزل

برائی چاہنے والے کو بھی بھلائی دے

غرورِ زُہد نہ پندارِ پارسائی دے
مرے قلم کو حقیقت کی روشنائی دے

وہ آدمی تو مرا دوست ہو نہیں سکتا
ترے سوا جو کسی اور کی دہائی دے

جہاد کرنے چلا ہوں میں تیرے دشمن سے
مرے خدا مجھے ہارون جیسا بھائی دے

لباس صاف نہیں ہے تو کوئی بات نہیں
مجھے تو قلب و نظر کی مگر صفائی دے

سنا ہے اشک کے موتی عزیز ہیں تجھ کو
تو میری آنکھوں کو توفیق بے ریائی دے

جو دشمنوں سے ملے ہیں وہ بھر تو سکتے ہیں
وہ زخم بھر نہیں سکتا جو ایک بھائی دے

عجیب درس دیا ہے کسی نے یہ مجھ کو
برائی چاہنے والے کو بھی بھلائی دے

مری نظر میں ادب ہی نہیں وہ اے تابش
جو میری قوم کے بچوں کو بے حیائی دے

تابش مہدی

مدرسہ نور الاسلام جلپاپور

نیپال میں طلبائے علوم دینیہ اور عامۃ المسلمین سے خطاب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

طلبہ کے اخلاص وعلمی اختصاص پیدا کرنے اور مسلمانان نیپال سے اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ پیش کرنے اور نئی نسل کی دینی تعلیم کا انتظام واہتمام کرنے کی دعوت وتلقین۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وخاتم النبیین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین، اما بعد!

میرے عزیزو! ایک ہی علمی و دینی وفکری خاندان کے فرزندو اور ذمہ دارو! اس موقع پر مجھے بے اختیار عربی کا ایک شعر یاد آ رہا ہے جو حسب حال ہے، شاعر کہتا ہے ؎

قالوا خراسان أقصی ما یراد بنا
ثم القفول فقد جئنا خراسانا

شاعر کہتا ہے کہ ہمیں جن سے تعلق تھا انھوں نے کہا تم ہمارے یہاں کہاں اور کب آ سکو گے؟ ہم خراسان میں رہتے ہیں تم کہاں رہتے ہو، خراسان بہت دور ہے، دنیا کے آخری سرے پر واقع ہے، پھر واپس جانے کا بھی مسئلہ ہے، تو میں نے کہا لیجئے ہم خراسان آ گئے! یہ نیپال کی سرزمین یوں تو اپنی جغرافیائی حیثیت سے اور وسائل کے لحاظ سے کوئی ایسے کوہ قاف پر نہیں واقع ہے لیکن اپنی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے میرے لیے اس وقت یہاں کا سفر کرنا بہت مشکل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقدر تھی اور اس کا وقت مقرر تھا کہ میں یہاں آؤں۔

مجھے بہت خوشی ہے، میں آپ سے بلا تکلف کہتا ہوں کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ و اساتذہ سے خطاب کر رہا ہوں، ایک ہی خاندان ہے، اور جہاں تک آپ کا اور ہمارے یہاں کے رہنے والے مسلمان بھائیوں کا تعلق ہے، مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں لکھنؤ میں کھڑا ہوں، یا رائے بریلی اپنے [illegible] ہوں، مجھے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

تفصیل کے ساتھ سپاس نامہ میں یہاں کے حالات پیش کیے گئے ہیں، وہ تفصیل بہت دل کشا ہے، اس کا تقاضا تھا اور ہے کہ میں بھی تفصیل کے ساتھ جواب دوں، لیکن میں اس وقت اس حال میں نہیں ہوں، میں آپ کے سامنے چند ضروری باتیں رکھتا ہوں۔

پہلی بات تو مجھے اپنے طلبہ سے کہنی ہے، دیکھئے دنیا میں ہمیشہ سے، جب سے کہ دنیا قائم ہے، اور دنیا کی جتنی تاریخ ہمارے سامنے محفوظ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں آدمی کی محنت اپنا رنگ دکھاتی ہے، اور کمال نے اپنی قیمت وصول کر لی ہے، اس میں نہ کسی زمانہ کی خصوصیت ہے، اور نہ کسی ملک کی خصوصیت ہے، نہ کسی نسل و نسب کی خصوصیت ہے، نہ خاندان برادری کی، نہ کسی جغرافیائی اختلاف کی، جس طریقہ سے خوشبو پھیلتی ہے، تو وہ اپنا وجود منوا لیتی ہے، پھولوں کا حسن ہے، باغ کی رعنائی اور اس کی دل کشی ہے، ستاروں کی چمک ہے، سورج کی روشنی ہے، چاند کا حسن و جمال ہے، یہ سب چیزیں خود اپنی قیمت وصول کر لیتی ہیں، اور اپنے وجود کو منوا لیتی ہیں، اس کے لیے کسی سند کی بھی حقیقت میں ضرورت نہیں، بس اپنے طالب علموں سے کہوں گا کہ آپ محنت کریں، یوں تو سب میں آپ کو درک ہونا چاہیے، اور استعداد ہونی چاہیے، لیکن کسی ایک فن کو آپ اپنا موضوع بنا لیں، اس میں امتیاز پیدا کریں، اگر آپ نے یہاں امتیاز پیدا کیا، تو آپ یقین جانئے کہ اس کی رسید کی آواز بلاد عرب سے آئے گی، آپ کے [illegible] لوں گا، اور اگر اس میں اپنی خودستائی نہیں تو اپنے خانوادہ کی یا اپنے علمی مرکز دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تعریف نکلے گی، جو اپنی ہی تعریف ہوتی ہے، یہ سنتِ الٰہی ہے، "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا" "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا" اتنی تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤگے، کسی قسم کا تغیر نہیں پاؤگے، پہلے کہا تبدیلا پھر کہا تحویلا کوئی اس میں تبدیلی، کوئی الٹ پھیر نہیں پاؤگے۔

ایک بات تو آپ سے کہتا ہوں جو میں بڑے بڑے چوٹی کے مدرسوں میں کہتا رہا ہوں کہ آپ کسی فن میں امتیاز پیدا کریں اور اس میں ایک جملہ جو میری زبان سے اکثر نکلا ہے اور اس کو میں نے وظیفہ کے طور پر یاد کر رکھا ہے، وہ یہ کہ آپ اخلاص و اختصاص پیدا کریں، جہاں تک اللہ کا معاملہ ہے اس میں خلوص ہو، اس میں اللہ کی رضا کی نیت ہو، اللہ کی رضا کی طلب ہو کہ اللہ ہم سے راضی ہو، ہم قرآن و حدیث پڑھ رہے ہیں، ہم فقہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں تاکہ ہم اللہ کو پہچانیں، اور اس کے رسول کو جانیں اور اس کے کلام کو سمجھیں، اور دوسروں کو سمجھائیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اخلاص ہو، دوسری بات یہ کہ اختصاص ہو یعنی کسی ایک فن میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز حاصل ہو اس کی طرف انگلیاں اٹھیں، جو اہل کمال ہیں، پہچانے والے ہیں وہ کہیں کہ یہ اس فن میں بہت بڑھا ہوا ہے، سیکڑوں سے بڑھا ہوا ہے، ایک طرف تو طالب علموں سے یہ کہوں گا کہ اخلاص و اختصاص پیدا کریں، اور اپنی نیت صحیح کریں، صرف اللہ کی رضا کی نیت ہو، باقی [illegible] و تعالیٰ کا قانون ہے، وہ خود بخود حاصل ہوں گی، اور دوسرے یہ کہ کسی خاص فن میں کسی ایک چیز میں، کم سے کم ایک چیز میں (اور اللہ توفیق اور ہمت دے تو اس سے زیادہ میں) اختصاص یعنی امتیاز ہو، یقیناً زمانہ بہت بدل گیا ہے، لیکن اس بارے میں کچھ نہیں بدلا، آج بھی جن لوگوں نے کوئی امتیاز پیدا کر لیا ہے، انھوں نے اپنا امتیاز منوا لیا ہے، دشمنوں تک سے منوایا ہے، تسلیم کروا لیا ہے، گردنیں جھک گئی ہیں، اور لوگ ان کے قدموں پر پڑتے ہیں، ان کی خوشامدیں کرتے ہیں، ان کو سر پر بٹھا کر آنکھوں میں جگہ دے کر جانا چاہتے ہیں، ایک بات تو یہ ہے، اس میں نہ تو نیپال کی خصوصیت ہے، نہ یہاں کی کوئی خصوصیت ہے آج ہم ان لوگوں کے نام پڑھتے ہیں، ان کے نام کے ساتھ نسبتیں دیکھتے ہیں آج اچھے پڑھے لکھوں کو نہیں معلوم کر۔۔۔۔

۔۔۔صاحب ہدایہ مرغینانی کہاں کے رہنے والے ہیں، کوئی تبریزی ہیں، اور کوئی زمخشری ہیں، کوئی سکاکی ہیں، اب جغرافیہ میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف ہو گئی ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے، تو یہ نیپال کی، یا ہندوستان کی یا کسی صوبہ کی کوئی خصوصیت نہیں، آپ کمال پیدا کریں گے تو ساری دنیا کم سے کم عالم اسلام آپ کے کمال کو مان لے گا اور اگر آپ کہیں چھپ کر رہنا چاہیں گے تو آپ کو کوئی چھپنے دے گا نہیں، آپ ہزار پردے میں بیٹھیں، آئیں گے لوگ اور پردے اٹھا کر اور کسی طرح آپ تک پہونچ کر آپ کو اٹھا لیں گے، گود میں اٹھا لیں گے، اور آپ کو سر پر بٹھا کرلے جائیں گے، وہ خوشامدیں کریں گے، آپ کے پاؤں پر ٹوپی ڈال دیں گے، آپ ہمارے مدرسہ چلئے! آپ ہمارے کالج چلئے! ہماری یونیورسٹی چلئے! یہ فن پڑھائیے!۔

اپنے طالب علموں سے تو یہ کہتا ہوں کہ اخلاص و اختصاص پیدا کریں، اللہ کے معاملہ میں اخلاص، کوئی نیت نہیں دکھانے کی، نہ کھانے کی، نہ اتنی بڑی تنخواہ، اتنی بڑی تنخواہ ہو، اور فن کے لحاظ سے (علم کا جہاں تک معاملہ ہے) اختصاص ہو اس لیے کہ بغیر اختصاص اور بغیر امتیاز کے کوئی چیز نمایاں نہیں ہوتی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے "قيمة كل امرئ ما يحسنه" (ہر شخص کی قیمت وہ ہے جس کام کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر انجام دے سکتا ہے) طالب علموں سے یہ کہوں [illegible]

گی اور دور تک لے جائے گی، کہاں کا ندوہ؟ کہاں کا دار العلوم دیوبند؟ اور کہاں کا جامع ازہر تم دیکھو گے، واس میں نیپال کا ہونا اتنی دور ہونا، اتنا مشکل اتنا لمبا راستہ ہونا کوئی چیز حائل نہیں ہوگی، جو لوگ صاحب کمال تھے ان کو لوگ کہاں کہاں سے لائے، اور اس کو کیسی جگہ دی؟ طالب علموں سے کہتا ہوں کہ شکر کریں اللہ کا، اللہ تعالیٰ نے ایسی دور افتادہ جگہ میں دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں، نیپال کا تعارف صرف نوجی سپاہیوں، پہرے داروں کی وجہ سے تھا، میں آپ سے صفائی کے ساتھ کہتا ہوں، بہت پڑھا لکھا ہوں، دنیا میں پھرا ہوں کہ میں نیپال کو گورکھوں کی وجہ سے جانتا ہوں، نیپال وہ جگہ ہے جو بڑے مضبوط فوجی دیتا ہے، بہت امانت دار بڑے جفاکش پہرہ دار دیتا ہے، جس کو بڑے بڑے رئیس اور نواب لوگ اپنے دروازے پر بٹھاتے تھے، لیکن ابھی تک عالموں کی حیثیت سے نیپال کا تعارف نہیں ہوا تھا، لیکن اللہ جزائے خیر دے اللہ قبول فرمائے کہ یہ دار العلوم یہاں قائم ہوا، اور ندوی فضلاء کو جلا رہے ہیں، جن لوگوں کے نام لیے گئے اللہ ان کے درجے بلند فرمائے، اس کی وجہ سے اب ان شاء اللہ نیپال کا نام صرف گورکھوں کی وجہ سے اور پہرہ داروں کی وجہ سے نہیں ہوگا، عالموں کی وجہ سے بھی ہوگا، اس معاملہ میں شہروں اور ملکوں کا فرق نہیں ہوتا، لکھنؤ، دلی، جونپور (جو شیراز ہند کہلاتا تھا) بھوپال، ٹونک جو بھی بڑے بڑے اہل کمال کا مرکز بن چکے ہیں۔ رام پور میں بڑے بڑے منطقی اور فلسفی تھے، اور سنسری کا یہ علاقہ اور آپ کا یہ جلیاپور (نیپال) میں کوئی فرق نہیں ہوگا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں سنت الٰہی ہے، کہ اہل کمال میں ناموں کا، فاصلوں کا اور ان کی سابقہ روایات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یہ تو طالب علموں سے کہتا ہوں، آپ اپنے درجہ میں بھی ممتاز ہوں گے، اور نگاہیں اٹھیں گی، انگلیاں اٹھیں گی، دیکھو یہ نیپال کے طالب علم ہیں، یہ صرف نحو میں ہمارے طالب علموں سے اچھے ہیں، یہ مطالعہ دیکھ کر آتے ہیں، اور بعد میں بھی پڑھتے ہیں، ان کی استعداد بھی بڑی اچھی ہے، اور یہ ان شاء اللہ بڑی ترقی کریں گے، اس میں کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جاتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ ایران کے تھے، ان کے بزرگوں میں کوئی بڑے عالم بھی ہوئے ہیں، ان کے والد تک عالم نہیں ... غزالی کا لفظ ...

کہ ان کا خاندان اون کا کام کرنے والا تھا، ایک جلیل القدر بزرگ خواجہ نقشبند کہلاتے ہیں، ان کے یہاں نقاشی کا کام ہوتا تھا، کوئی بزرگ کچھ کہلاتے ہیں، تو اس سے آپ کچھ نہ سمجھئے، اس کے علاوہ خصاف یعنی جوتا گانٹھنے والے، زیات یعنی تیل بیچنے والے، خیاط کپڑا سینے والے جن کے پیچھے ہم نے بیسیوں نمازیں پڑھی ہوں گی، حرم شریف جو دنیا میں سب سے بڑھ کر عزت و احترام کی جگہ اور عبادتگاہ ہے جہاں کی امامت سب سے فخر اور شرف کی بات سمجھی جاتی ہے اور وہ بیت اللہ کہلاتا ہے، اس کے امام خیاط تھے، غالباً بھوپال کی طرف کے تھے یا کہاں کے تھے؟ وہ شیخ عبداللہ الخیاط ہندوستانی تھے، لیکن اپنے علم کی وجہ سے ان کو حرم کا امام بنایا گیا، اور ایسی کتنی مثالیں دے سکتا ہوں، بڑے بڑے مصنفین کے ساتھ کیا کیا لگا ہوا ہے، بعض تو حجار ہیں یعنی پتھر توڑنے والے، ہم نے بھی ان کی زیارت کی ہے، قدوری ایک بہت بڑے فقیہ ہیں جن کی کتاب فقہ کے ضروری نصاب میں داخل ہے، شروع میں وہ قدوری تھے یعنی ہانڈیاں بناتے تھے مٹی کی، اور قدوری کہلاتے تھے، انھوں نے کتاب لکھی اور وہ کتاب مقبول ہوئی اس کتاب نے منوالیا اپنے کو، اور مصنف کو بھی، طالب علموں سے یہ بات مختصر کہتا ہوں کہ آپ محنت کیجئے اور اخلاص و اختصاص پیدا کیجئے، آپ بھی چمکیں گے اور اپنے ملک کو بھی چمکائیں گے اور آپ کی روشنی دور تک پھیلے گی۔

اب ہم اپنے ان بھائیوں سے جو مدرسہ سے طالب علمی کا تعلق نہیں رکھتے، اپنے دینی جذبہ اور دین کے شوق میں آئے ہیں، کہتا ہوں کہ آپ ایسے ملک میں ہیں کہ اگر آپ اس ملک کے رہنے والوں کے دل جیت لیں اور ان کو اسلام کی طرف مائل کر لیں اور ان کے دلوں میں ایمان کا بیج ڈال دیں، تو آپ نہ صرف اسلام کی بلکہ انسانیت کی خدمت کریں گے، کیونکہ یہ ملک اسلام سے ناآشنا رہا ہے، ابھی ہمارے عزیز بھائی نے جو اس ملک پر ایک تاریخی روشنی ڈالی ہے، یہاں کیسے کیسے لوگ ہوئے ہیں، ان میں رام جی کا نام آیا ہے، اور بودھ جی کا نام آیا، اور لچھمن جی کا نام آیا ہے، لیکن یہاں کسی سیدنا جیلانی کا نام نہیں آیا، حیران کا ہونا آسان کام نہیں، کسی بزرگ کا کسی ... کسی فقیہ کا ... کسی مفسر کا نام

نہیں آیا، تو آپ یہ کوشش کریں کہ آپ اپنے اخلاق اور اپنے کیرکٹر سے زندگی کا ایسا نمونہ پیش کریں کہ یہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں، اور وہ اسلام کا مطالعہ کریں، اور آئیں مدرسوں میں کہ ہمیں آپ بتائیے کہ اسلام کی کیا خصوصیات اور کیا تعلیمات ہیں؟ نیپالی زبان میں ہو انگریزی میں، یا ہندی میں، ہم سمجھیں کہ کیا بات ہے کہ لوگ اتنے مختلف ہیں۔

میں نے آکسفورڈ میں (جو انگلستان کا بہت بڑا علمی و تعلیمی مرکز ہے) تقریر کی، وہاں کے لوگوں کے سامنے ہندوستان کا ایک واقعہ بیان کیا کہ جب ہندوستان کے مجاہدین نے پشاور فتح کیا اور اس میں کئی ہفتے، ممکن ہے کئی مہینے گذر گئے، وہاں ایک دن ایک پٹھان نے ایک ہندوستانی کا ہاتھ پکڑا (اودھ کا یا کہیں کا رہنے والا ہوگا) اور کہنے لگا میاں ایک بات پوچھتا ہوں صحیح صحیح جواب دینا، کیا تم ہندوستانیوں کی دور کی نظر کچھ خراب ہوتی ہے، کمزور ہوتی ہے، دور کی چیز تم دیکھ نہیں سکتے؟ اس نے کہا کہ نہیں، ہم خوب دیکھتے ہیں، کہا نہیں! کوئی بات ہے ضرور، ہندوستانیوں کی دور کی نظر کمزور ہے، اس ہندوستانی نے کہا یہ تو آپ تبلائیے کہ آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، یہ بات تو ہر ایک پوچھتا نہیں، یہ کوئی ایسی پوچھنے والی بات بھی نہیں ہے، آپ پوچھ کیوں رہے ہیں، ہم بھی اتنا ہی دیکھتے ہیں جتنا آپ دیکھتے ہیں، مگر آپ پوچھ کیوں رہے ہیں؟

پٹھان نے کہا پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ مہینوں سے گھر سے نکلے ہوئے ہو، اپنے گھر بار کو، بیوی بچوں کو چھوڑے ہوئے ہو، اور تندرست ہو، ماشاء اللہ شکیل ہو، ہم نے تم میں سے کسی کو کسی نامحرم عورت کو دور سے دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، تمہاری نگاہیں ہمیشہ نیچی رہتی ہیں، ایک آدمی کا معاملہ ہو تو آسان ہے سارے کے سارے کیوں نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، عورتوں کو اور لڑکیوں کو، لوگ جانتے ہیں کہ پشاور میں صوبہ سرحد میں خوبصورتی زیادہ ہے، یعنی وہاں کچھ ایسی کشش بھی ہے کہ آدمی دیکھے اور اس کے اندر اس کا خیال پیدا ہو، شوق پیدا ہو، تو ہم نے سوچا کہ دو چار زاہد ہو سکتے ہیں، عابد ہو سکتے ہیں، بڑے محتاط، متقی ہو سکتے ہیں، لیکن فوج میں تو لوگ عام طور پر زاہد نہیں ہوتے، جوان ہوتے ہیں، ہٹے کٹے ہوتے

ہیں، ہٹے کٹے لوگ پھر اپنے گھر سے دور، کوئی اپنی بیوی سے دور دو برس سے ملا نہیں، کوئی چار برس سے ملا نہیں، کوئی چھ مہینے سے نہیں ملا، اور جوان بھی ہیں، کبھی تو یہ نظر اٹھا کر دیکھتے کہ یہاں کی عورتیں کیسی ہوتی ہیں، دیکھتے ہی سے کچھ اپنی تسکین کر لیتے، لطف لیتے تو ہم سمجھے کہ یہ کوئی تقویٰ اور زہد کی بات نہیں، بلکہ ان کی دور کی نظر ہی نہیں۔

ہندوستانی نے جواب دیا کہ نہیں! الحمد للہ ہماری دور کی نظر خوب کام کرتی ہے، ہم دور کی چیز صاف دیکھتے ہیں لیکن یہ ہمارے امام کی تربیت کا نتیجہ ہے، قرآن مجید کی آیت پر عمل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ "قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ"۔

(اہل ایمان سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، عفت و طہارت کے ساتھ رہیں)۔

سننے والوں کو بڑا تعجب ہوا، ہم نے وہاں ہندوستان کے لوگوں سے کہا کہ آپ یہ نمونہ دکھائیں، لوگوں کو یہ شوق پیدا ہو کہ یہ چیز کہاں سے آئی، یہ لوگ گھر چھوڑے ہوئے اتنے دنوں سے یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، کوئی بی۔ اے میں پڑھ رہا ہے، کوئی بی۔ ایس۔ سی میں پڑھ رہا ہے، کوئی ایم۔ ایس۔ سی میں پڑھ رہا ہے، کسی کو چار برس ہوئے، کسی کو چھ برس ہوئے، اور یہاں بہت خرچ ہوتا ہے ہندوستان جانے میں، اور ان میں سے اکثر کی شادی نہیں ہوئی، اور یہاں کی لیڈیز اپنی خوبصورتی میں مشہور ہیں، ساری دنیا میں اور خود ہندوستان میں لوگ بڑی للچائی ہوئی بڑے شوق کی نگاہوں سے ان کو دیکھتے تھے، یہاں کیوں نہیں دیکھتے؟ ان کے اندر یہ سوال پیدا ہو اور پھر وہ سمجھیں کہ یہ اسلام کا فیض ہے، یہ اسلام کی تربیت کا فیض ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ ایک بات تو یہ ہے کہ آپ اسی شہر میں چلیں پھریں، دکانیں کریں، ملازمت کریں، ملیں، جلیں اور دور رہنے کی ضرورت نہیں، لیکن آپ اپنا امتیاز ثابت کر دیں، نیپال کی اس سرزمین پر سوال پیدا ہو کہ یہ کون سے لوگ ہیں، یہ کوئی بے احتیاطی نہیں کرتے، یہ کسی محرم کو نہیں دیکھتے، ان کا ہاتھ کسی چیز پر اٹھتا نہیں چوری کے لیے، یہ جھوٹ نہیں بولتے، یہ وہ ہیں کہ

اگر ملازمت کرتے ہیں تو بڑی دیانت داری اور وفاداری کے ساتھ کرتے ہیں، پھر یہ گرے پڑے لوگوں کو سہارا دیتے ہیں، یہ غریبوں اور کمزوروں پر زیادتی نہیں کرتے، یہ کیرکٹر آپ کو دکھانا چاہیئے۔

مجھے امید نہیں کہ اس کے بعد آپ سے ملنے اور کہنے سننے کا موقع ملے گا، اور ملے گا تو کب ملے گا؟ ہم آپ پھر جمع ہوں گے یا نہیں ہوں گے، اس لیے میں یہ دو تین باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں، ایک بات تو یہ کہ آپ اپنی زندگی کا نقشہ، اپنی زندگی کا طرز ایسا بنائیں کہ لوگوں کے اندر سوال پیدا ہو، تجسس پیدا ہو، کہ بھئی پوچھنا چاہیئے کہ یہ بات ان میں کہاں سے آئی؟ یہی بات تھی جس کی وجہ سے انڈونیشیا مسلمان ہو گیا، پورا کا پورا ملک مسلمان ہو گیا، مؤرخین کہتے ہیں کہ وہاں کوئی اسلامی فوج نہیں پہونچی، یہ بات مانی ہوئی ہے تاریخی طور پر، لیکن پورا کا پورا ملک پہلے سو فیصدی مسلمان تھا اب وہاں کچھ شامت اعمال سے، کچھ حکومتوں کی خرابی سے، کچھ امریکہ اور برطانیہ کی سازش سے کہیں کہیں عیسائیت پھیل رہی ہے۔

ایک بات تو یہ کہ آپ اپنے اخلاق سے، اپنی ایمانداری سے، اپنی سچائی سے اپنی شرافت سے ثابت کریں کہ۔۔۔۔ آپ کوئی اور نمونہ، کوئی اور ماڈل ہیں، کوئی اور چیز ہیں۔

دوسری بات یہ کہ مکاتب اور مدارس قائم کیجئے، کوئی بستی کوئی گاؤں ایسا نہ ہو، جہاں کوئی مکتب اور مدرسہ نہ ہو، جہاں دینی تعلیم نہ دی جائے، اور عورتوں تک کو گھر میں، خواتین کو مستورات کو اپنے گھر میں، بیٹیوں اور بچیوں کو بھی دین کی تعلیم دیجئے اور ان کو تاکید کیجئے کہ اپنے بچوں کو بھی تعلیم دیں، پیغمبروں کے قصے سنائیں توحید کی محبت پیدا کریں، شرک سے نفرت دلائیں، بد اخلاقیوں سے نفرت پیدا کریں، دلوں میں حضور سے عشق اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا کریں، جب جا کر یہاں ایمان محفوظ رہے گا نئی نسل کا، ورنہ کوئی ٹھکانا نہیں، کوئی بھروسہ نہیں اس کا۔

تیسری بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں ہندوستان میں یہ آفت آئی ہوئی ہے، کل ہی بھاگلپور میں بڑا جلسہ ہوا، ہزاروں آدمی تھے، وہاں میری تقریر ہوئی اور بڑے بڑے علماء کی تقریریں ہوئیں، اس سے پہلے مونگیر میں بڑا جلسہ ...

اور آندھرا پردیس سے، اور کہاں کہاں سے علماء آئے، وہاں ایک مصیبت ہے شادیوں میں فضول خرچی اور دھوم دھام اور نمائش کی، اور سخت درجہ کا اسراف، فضول خرچی کی، بڑی بڑی باراتیں لیجانا، اور بڑے کھانوں کا اہتمام۔

اور پھر وہاں ایک اور مصیبت آئی ہوئی ہے، بلکہ خدا کا ایک عذاب آیا ہوا ہے، کہ لڑکی والوں سے فرمائش کی جاتی ہے کہ لڑکی کو اتنا جہیز دیا جائے، موٹر دی جائے، اور وہ موٹر لے کر آئے، اور اتنی رقم لے کر آئے جب ہم اپنے لڑکے سے شادی کریں گے، نہیں تو نہیں کریں گے، خدا کرے آپ کے یہاں یہ نہ ہو۔

آخر میں یہ کہ آپ اپنے دین کی قدر کریں، اس کو سب سے بڑی نعمت سمجھیں، نمازوں کی پابندی کریں، اور کلمہ کے معنی سمجھیں، قرآن مجید کی کچھ سورتیں آپ کو یاد ہونی چاہئیں، ان کے معنی مطلب بھی اگر آپ سمجھ سکیں، یاد کر سکیں تو یاد کریں، اور دین کی ضروری معلومات حاصل کرنے کا آپ کو شوق ہو، آپ مدرسوں میں جائیں، اور پھر آپ گاؤں گاؤں میں مکتب مدرسہ قائم کریں، خلاصہ یہ کہ اپنے دین وایمان کی سب سے زیادہ فکر کریں، اور اللہ سے دعا کریں، کوشش کریں کہ اسلام پر قائم رہیں، ایمان پر خاتمہ ہو، قرآن شریف میں آتا ہے "وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" (دیکھو نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو) اس کی کوشش کریں، سب سے بڑی نعمت، سب سے بڑی دولت، سب سے بڑی خوش قسمتی سب سے بڑی اقبال مندی، اسلام کی دولت کا مل جانا، اور ایمان پر خاتمہ ہونا، اللہ کے رسول کی شفاعت نصیب ہونا اور آپ کے دست مبارک سے جام کوثر پینا، اور جنت کا مستحق قرار پانا ہے، اس کو سب سے بڑی دولت سمجھیں اور اس کی پوری حفاظت کریں۔

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، اور آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ان مدرسوں کی قدر کریں کہ یہاں سے پڑھ کر یہ دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں اور قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، اور ماشاء اللہ یہ آپ کے ملک کا نام روشن کرتے ہیں، اور آپ کے ملک کی عزت بڑھاتے ہیں، آپ اس کی قدر کریں، اور ان مدرسوں ...

کی ضرورت ہے، ابھی تعمیرات پوری نہیں ہوئیں، وہاں اس کی کوشش کریں جہاں ضرورت ہے، خرچ کر کے لڑکوں کو طالب علموں کو وظیفہ دیا جائے، ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جائے، اس میں بھی آپ مدد کریں، یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑے ثواب کا کام ہے، اس کی قدر آپ کو قیامت میں معلوم ہوگی، آپ کی وجہ سے کوئی طالب علم دین حاصل کرے اللہ و رسول کا نام ہی نہ سیکھے بلکہ اللہ و رسول کا نام سکھانے کی اس میں قابلیت پیدا ہو جائے، اس سے بڑا صدقۂ جاریہ کیا ہے؟

انھیں چند باتوں پر میں ختم کرتا ہوں، ان کو گرہ میں باندھ لیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

آخر میں ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی اس مسرت کا اظہار کرتے ہیں، کہ ہم نے اس مرکز کو اپنی امید اور اپنے تصور سے زیادہ پایا، ہمیں بڑی خوشی ہوتی اگر ہمیں یہاں زیادہ وقت صرف کرنے کا موقع ملتا، لیکن کچھ ایسی مجبوریاں ہیں کہ ہم زیادہ وقت نہیں دے سکے، مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم نے آ کر خود ہی کہا کہ ہم خطاب کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ہماری

حالت کا تقاضہ یہ تھا کہ ہم کہتے بھی کچھ بات نہیں کر سکیں گے ہمیں تو سلا دیا، لٹا دیا، ہم آرام کر لیں اور کل صبح ہی ہمیں جانا ہے لیکن آپ کی محبت کا، آپ کے خلوص کا اور ان بلانے والے بھائیوں کے خلوص کا اثر تھا کہ ہم نے خود ہی اپنی طرف سے کہا کہ اگر کوئی پروگرام ہو، یا آپ کر سکیں تو کیجئے، اپنے بھائیوں کو دیکھ لیں، کہاں پھر ہم دیکھنے کے لیے آئیں گے، یہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں کو، اپنے دینی بھائیوں کو اپنی آنکھ سے دیکھیں، خوش ہوں، اور اللہ کا شکر ادا کریں، کچھ اللہ و رسول کے دین کی باتیں ہم ان سے کر لیں، سن بھی لیں، اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام ہو گیا، بس اس سے زیادہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائیں۔

وما التوفيق إلا من عند الله۔

لے جلیاپور ضلع سنسری کے اس مدرسہ کو مولوی و منشی محمد بشیر الدین پورنوی نظیمی نے ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ء) میں ایک دینی عربی مدرسہ قائم کیا تھا، اور اپنی سب صلاحیتیں اور توانائیاں اس کے لیے وقف کر دیں، اور ان کو ندوی فاضل رفیق اور معاون مل گئے۔

تاریخ ندوۃ العلماء

ہندوستان کی تاریخ ساز، عظیم تعلیمی و اصلاحی تحریک "ندوۃ العلماء" اور اس کے طریق فکر و مسلک کی مفصل تاریخ جس میں اس کے پس منظر کے ساتھ اس کے مرتب کیے ہوئے تعلیمی نظام و نصاب، اور اس کی تعمیری و اصلاحی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے:

جلد اول: جس میں ندوۃ العلماء کے بانی اور اولین ناظم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے دور نظامت میں ہونے والے دس اجلاس ہائے عام کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔

جلد دوم: جس میں ندوۃ العلماء کے آخری بارہ اجلاسہائے عام کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں، اور ندوۃ العلماء کے نامور ناظموں اور ممتاز محسنوں کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مصنفین: مولانا محمد اسحاق جلیس ندوی۔ مولانا شمس تبریز خاں

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی کے بیش قیمت مقدمہ و تعارف کے ساتھ

معیاری کتابت آفسٹ طباعت۔ سائز ۲۰×۳۰ مجموعی صفحات ۱۰۱۸ قیمت ۱۲۰/- روپے

ملنے کا پتہ

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

اصحاب عزیمت و جہاد
مسلم حکمرانوں کے دور میں

مسلم حکمرانوں کے دور میں دین کی اشاعت کی تقویت کیلیے علماء اور صلحاء نے جو کام کیا ہے آج اسلام کی رونق انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے جب کہ مسلم حکمرانوں نے عام طور پر حکومت میں نامذہبی طریقہ کار اختیار کر رکھا تھا۔ یہاں پر ہم مشہور و معروف مؤرخ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مضمون کے ایک ٹکڑے کو جو ڈاکٹر ہارون رشید صاحب کی کتاب حکیم فخر الدین خیالی کے مقدمہ کے طور پر لکھا گیا ہے پیش کر رہے ہیں۔ جس میں سادات قطبیہ کے کارناموں کا تذکرہ ہے۔

دعوت و عزیمت، ارشاد و تلقین، علم و فضل، سلوک و عرفان، سخنوری اور سخن شناسی کا شاید ہی کسی خاندان میں وہ اجتماع ہوا ہو، جو رائے بریلی کے دائرہ شاہ علم اللہ میں بسنے والے خانوادہ کو قسام ازل نے ارزانی فرمایا اور جو آج تک اس خاندان کا طرہ امتیاز ہے۔ اتباع سنت میں کوشش کی تو "علم اللہ" بن گئے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی وفات پر خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور علماء عصر نے یہ تعبیر بیان کی کہ حامل شرع اور حامل سنت "علم اللہ" نے جہان فانی سے کوچ کیا۔ عزیمت اور سرفروشی نے پکارا تو سید احمد شہیدؒ کی شکل میں ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

کی تصویر پیش کر دی۔ ہندوستان میں اسلامی علوم اور تمدن کے نقوش کے تحفظ کی ضرورت پیش آئی تو "نزہۃ الخواطر" اور "ثقافت الاسلامیہ فی الہند" لکھ کر آنیوالی نسلوں کے لیے حکیم سید عبد الحئیؒ نے روشنی کے مینارے کھڑے کر دیئے۔ علم کا پودا خون جگر سے آبیاری کے بغیر برگ و بار نہیں لاتا۔ دائرہ علم اللہی میں علم و فضل کی روایت کی آبیاری تین سو سال تک کی گئی ہے جب "تاریخ دعوت و عزیمت" نے فکر کا پیکر اختیار کیا ہے۔ علم و ارشاد کی اتنی طویل روایت ہندوستان کے بہت ہی کم خاندانوں کو نصیب ہوئی ہے۔

خیالی کے اجداد ہندوستان کے قدیم ترین مسلم خاندانوں کی طرح التمش کے دور حکومت میں ہندوستان آئے تھے عصامی نے اس زمانہ میں آنے والے علماء کے متعلق لکھا ہے ؎

بے سیدان صحیح النسب
بے عالمان بخارا نژاد
بے زاہد و عابد از ہر بلاد
حکیمان یونان طبیبان روم
بے اہل دانش ز ہر مرز بوم
دراں شہر فرخندہ جمع آمدند
چو پروانہ بر نور شمع آمدند

ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ شیخ الاسلام سید قطب کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بیٹے سید تاج الدین اور پوتے سید رکن الدین نے بدایوں کڑہ مانک پور اور اودھ کے مختلف علاقوں میں قضا کی خدمت انجام دی تھی۔ اسی خاندان تقدس و تقویٰ میں سید شاہ علم اللہ نے آنکھ کھولی۔ ابتدائی زمانہ میں شاہجہاں کی ملازمت میں تھے، بعد کو ملازمت شاہی سے دستبردار ہو کر اپنی زندگی تزکیہ باطن میں گزار دی۔ خواجہ سید آدم بنوریؒ سے نقشبندی مجددی سلسلہ میں تربیت حاصل کی۔ ان ہی کے زمانے سے نقشبندی سلسلہ سے اس خاندان کا تعلق استوار ہوا۔ کہتے ہیں کہ ایک مجذوب شاہ عبد الشکور نے ان کو اس جگہ قیام کا مشورہ دیا تھا جو اب "تکیہ شاہ علم اللہ" کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ علم اللہ کے پوتے کے پوتے سید احمد شہیدؒ تھے جن کی سحر کار آواز بقول مولانا سید سلیمان ندوی "ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی تھی"۔

خیالی کے والد مولانا میر عبد العلی سید احمد شہیدؒ سے تعلق نسب کے علاوہ نسبت ارادت بھی رکھتے تھے۔ سرکاری ملازمت کے باوجود زہد و اتقا کی زندگی بسر کرتے تھے اور فطرتاً درویش دوست اور روشن ...

میر عبد العلی کی شخصیت بعض اعتبار سے بڑی دلکش تھی۔ ایک طرف سید احمد شہیدؒ سے نسبت نے طبیعت کا رنگ متعین کیا تھا، دوسری طرف نقاشی، خطاطی اور شاعری ان کی فطرت میں تھی۔ عربی میں علیؔ اور فارسی میں ہجرؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کے فرزند حکیم سید فخر الدین خیالی کا مزاج عالمانہ اور جذبات شاعرانہ تھے۔ مطالعہ وسیع اور نظر گہری تھی۔ علوم دینی میں مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ کے اور شاعری میں "سرخیل سخنوراں" امیر اللہ تسلیم کے شاگرد تھے۔ تسلیم کے متعلق کہتے ہیں ع

میں ذرہ وہ آفتاب دانش

خطاطی کا شوق ورثہ میں ملا تھا۔ تاریخ اور جغرافیہ سے گہری دلچسپی تھی۔ سیاحت بھی کافی کی تھی۔ کتب بینی کا ذوق غیر معمولی حد تک ترقی کر گیا تھا۔ بیاض رکھنے کی روایت اس خاندان میں بہت پرانی تھی۔ خیالی نے اس کو دائرۃ المعارف کی شکل دے دی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ خاندانی روایات رفتہ رفتہ واضح شکل اختیار کرتی رہیں اور ہر علمی کاوش جو ابتدا میں معمولی شکل میں ظاہر ہوئی۔ سخنوری نے "گل رعنا" کی شکل اختیار کی۔ علماء و صوفیاء کے حالات میں دلچسپی نے "نزہۃ الخواطر" کی تشکیل کی۔ حکیم سید عبد الحئیؒ نے اپنے فاضل باپ کی علمی روایات کو جس طرح آگے بڑھایا وہ فقید المثال ہے، ان کے ایک بیٹے ڈاکٹر عبد العلی نے خاندان کی طب و حذاقت کی روایت کو پکڑا اور اس میں کمال حاصل کیا، اور خدمت خلق میں زندگی گذار دی۔ دوسرے بیٹے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے علم و ارشاد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور اسی کے ہو گئے۔ اگر علمی، ادبی، اور ذہنی رجحانات کا سلسلہ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور نشو و نما اور ارتقاء کے پہلو دیکھے جائیں تو اندازہ ہوگا کہ کس طرح دائرے بڑھے ہیں اور افکار میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ سید فخر الدین خیالی کے اسفار، حیدر آباد، راجستھان، بندیل کھنڈ، یوپی تک محدود رہے ان کی دلچسپی زیادہ تر جغرافیائی حالات اور تاریخی عمارتوں میں تھی۔ مولانا عبد الحئی کا سفر جو دہلی اور اطراف دہلی میں ہوا، علماء اور مشائخ کی تلاش میں تھا۔ پھر ان کے بیٹے کے اسفار کا دائرہ یورپ اور امریکہ تک پھیل گیا، اور مقصد ارشاد و تلقین بن گیا۔ ارتقاء کی یہ منزلیں تھیں ...

... کرنے کے لیے تیار ہوا۔

اگر شیخ الاسلام سید قطب الدین سے لے کر سید ابو الحسن علی ندوی تک اس خاندان کی جہد و سعی کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اندازہ ہوگا کہ قضا، سلوک، عزیمت، علم و ادب، دعوت و ارشاد، اس خاندان کی کوششوں کا مرکز و محور رہا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ فکر و نظر کے سانچے، حالات کے تقاضے اور اصلاح کے طریقے بھی بدل جاتے ہیں۔ آج کی دنیا میں قلم کو جو اہمیت حاصل ہے وہ شاید کبھی نہ تھی۔ آج اصل ہار جیت افکار کی ہار جیت ہے اور یہ سب قلم کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے قلم نے اپنے خاندان کی ساری روایتوں کی پاسداری کی ہے اور انھیں آگے بڑھایا ہے۔ انھوں نے کبھی نئے طوفان اور اس کے مقابلہ کا راستہ بتایا ہے کبھی عصر جدید کے چیلنج کا جواب دیا ہے، کبھی عربوں کو تاریخ اسلام میں ان کے منصب اور ذمہ داری سے آگاہ کیا ہے، کبھی "مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں" کی ہیں، کبھی "عالم عربی کے المیہ" پر آنسو بہائے ہیں، کبھی "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اثرات کا جائزہ" لیا ہے۔ کبھی امریکہ میں اخلاق و روحانیت کا درس دیا ہے، کبھی انگلستان کی یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم کے تجدید و احیاء کے لیے داغ بیلیں ڈالی ہیں۔ ہندوستان میں اسلام کس طرح "ایک بہتر ہندوستان کی تشکیل" میں معاون ہو سکتا ہے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ کبھی "ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں" لکھ کر حالات کا جائزہ لیا ہے۔ ان کے مختلف انواع اور گہرے فکری اثرات کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خاندان علم اللہی میں ان کا وجود ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

کا مصداق ہے۔

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اصل کی طرف واپسی

مولانا واضح رشید ندوی... ایڈیٹر "الرائد" دار العلوم ندوۃ العلماء
ترجمہ:- محمد رضوان اللہ

گذشتہ مہینوں میں ہندوستان کے بعض اخبارات میں وسیع پیمانے پر ارتداد کی خبریں شائع ہوئیں، ان خبروں کے مطابق جن علاقوں میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بعض ہندو تنظیموں کے جبر و تشدد کے نتیجہ میں مرتد ہو گئی ان میں سر فہرست راجستھان ہے، اخبارات کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان تنظیموں نے مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے مختلف حربے استعمال کیے، مثلاً انھوں نے ان علاقوں کا محاصرہ کیا جہاں مسلمان تبلیغ و دعوت سے محروم، ذرائع ابلاغ اور عام اسلامی معاشرے سے کٹے ہوئے تھے اور الگ تھلگ زندگی بسر کر رہے تھے، انتہا پسند تنظیموں نے مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے اور ارتداد پر آمادہ ہونے کے لئے مسلمانوں سے کہا کہ ان کو اپنے آباء و اجداد کے پرانے دھرم میں لوٹ آنے اور قدیم ہندوستانی تہذیب و ثقافت اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور سنگین نتائج کی دھمکی دی۔

ایک ممتاز اور کثیر الاشاعت انگریزی اخبار نے یہ خبریں شائع کی، یہ اخبار وسیع پیمانے پر سرکاری دفاتر میں پہونچتا ہے اور اس کو سرکاری اور تعلیم یافتہ طبقہ پڑھتا ہے، اسی طرح یہ لائبریریوں اور تعلیمی و سرکاری اداروں میں پہونچتا ہے، اخبار میں شائع شدہ رپورٹوں میں ان مسلمانوں کے انٹرویو (INTER VIEW) بھی شائع ہوئے جو مرتد ہو گئے، جن میں مرد، عورتیں، تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ شامل ہیں، انھوں نے ان حالات و پس منظر پر روشنی ڈالی، جن میں ارتداد کا عمل انجام پایا ہے، اور ان ذرائع کا بھی ذکر کیا جو مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے استعمال کئے گئے، اس رپورٹ میں بعض لوگوں کے نام بھی آئے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ ان تنظیموں کے رجسٹر میں اس کی تفصیل درج ہے، جن تنظیموں نے مسلمانوں کو ہندو دھرم قبول کرنے پر مجبور کیا ہے، لیکن حیرت و تعجب ...

... کا کوئی نوٹس نہیں لیا، جبکہ تبدیلی مذہب کے لئے قانون جبر و تشدد کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

مسلمانوں کو اسلام سے مرتد ہونے پر مجبور کرنے کی رپورٹ کوئی نئی بات نہیں ہے، پہلے بھی اس قسم کی رپورٹیں ان اخباروں میں شائع ہو چکی ہیں جو ہندو انتہا پسند تنظیموں کی طرف سے شائع ہوتے ہیں، تحقیق کے بعد ان میں سے بعض خبریں من گھڑت نکلیں اور کچھ خبریں درست بھی پائی گئیں، لیکن ماضی میں ایسے وسیع پیمانے پر ارتداد کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جیسا کہ اخباری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ انتہا پسند تنظیمیں سرکاری و غیر سرکاری ذرائع سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ ہندوستان میں کثیر تعداد میں موجود ہیں، اور روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اقلیتوں کے خلاف ان کی یورش اور دباؤ کے نتائج میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

یہ اجتماعی ارتداد کی صورت حال ہے، جہاں تک انفرادی ارتداد کا سوال ہے تو یہ وسیع پیمانے پر وقوع پذیر ہیں، جس کو صرف وہی لوگ جانتے ہیں جہاں اس نوع کے واقعات پیش آتے ہیں، جو افراد یا تنظیمیں مسلمانوں کو ہندو مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں وہ ارتداد کو اپنے اصل دین میں داخل ہونے کا نام دیتی ہیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتی ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے اپنے عہد حکومت میں ان کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا تھا، اسی طرح انھوں نے مندروں کو منہدم کیا تھا، لہٰذا وہ ان عبادت گاہوں کی واپسی کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں، حالانکہ یہ ایک لچر دلیل ہے اور انوکھی منطق ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی یہ دلیل رجعت پسندانہ ہے اور جہاں تک اصل کی طرف لوٹنے کی منطق ہے تو یہ ملک میں عدم استقرار کو دعوت دیتا ہے جس کا سلسلہ رکنے والا نہیں، کیا یہ لیڈر اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہندوستان کی ہر ...

اب تک اس میں جو تبدیلیاں پیش آئی ہیں ان سے دست بردار ہو جائے، ایک طرف تو یہ لوگ عہد قدیم کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کی طرف لوٹنے کی باتیں کرتے ہیں لیکن بعینہ اسی وقت یہ لوگ موجودہ تمدن کے زمانے میں رہ رہے ہیں اور اس کے فوائد سے بہرہ ور ہو رہے ہیں جو کھانے، پینے، لباس، تعمیرات اور معاملات و اخلاق میں بلکہ زندگی کے ہر میدان میں پرانے زمانے کے ہندوؤں سے مختلف ہیں تو کیا یہ لوگ تہذیب و ثقافت میں بھی اصل کی طرف لوٹنے کی منطق کو قبول کریں گے؟

ایک کسان جب تہذیب و تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کر لیتا ہے اور متمدن زندگی گذارتا ہے معاشرے میں اس کا ایک مقام ہو جاتا ہے، اس منطق کی رو سے تو اسے اپنی اصل یعنی زراعت و کاشتکاری کی طرف لوٹ جانا چاہئے اور اس کو اپنے کھیت کھلیان ہی کو اپنی کد و کاوش کا مرکز بنانا چاہئے اس لئے کہ اس کے آباء و اجداد کسان تھے۔

اسی طرح اصل کی طرف لوٹنے کی منطق اگر قابل قبول ہو تو آج بہت سے ایسے ہندو ہیں جن کے آباء و اجداد پہلے بدھسٹ (BUDDHIST) تھے تو ان کو ہندو مذہب چھوڑ کر بدھ مذہب اختیار کر لینا چاہئے، اسی طریقے سے لاکھوں ایسے بدھ ہیں جن کے آباء و اجداد ہندو تھے جنھوں نے ڈاکٹر امبیدکر (Dr. AMBEDKER) کے زمانے کے ساتھ طبقاتی نظام سے بچنے کے لئے بدھ مذہب قبول کر لیا تھا ان کو بھی ہندو مذہب اختیار کر لینا چاہئے۔ اسی طریقے سے ہزاروں ایسے سکھ ہیں جو پہلے ہندو تھے ایسے ہی بہت سے عیسائی ہیں جو ہندوستان کے سرحدی صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں جیسے بہار، اڑیسہ، گجرات تو کیا ان تمام لوگوں کو عیسائیت (CHRISTIANITY) کو چھوڑ کر ہندو مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا؟ جو لوگ عیسائیت یا دوسرے مذاہب چھوڑ کر ہندو ہو گئے ان کو اپنے سابق مذہب کی طرف واپس ہو جانا چاہئے۔

ایک دوسرا مسئلہ بھی جو پہلے سے کم اہم نہیں ہے وہ ہے اصل کی تعیین کا مسئلہ یہ ایسا نازک مسئلہ ہے جو کبھی طے ہونے والا نہیں، کیونکہ اس کو بروئے کار لانے سے ایک طوفان برپا ہو جائے ...

گا اور طبقاتی، سیاسی و اجتماعی ڈھانچوں کو ہلا کر رکھ دے گا اور تبدیلیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا، جس کے نتیجے میں دنیا کے نقشے سے بہت سے ممالک کا وجود ختم ہو جائے گا۔

اس سے بھی اہم مسئلہ یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے اس عمل کا درست ہونا ثابت نہیں ہے عصر حاضر میں اس قسم کی کوششیں بہت سے مقامات پر کی جا چکی ہیں اور مسلمانوں و دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہب سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جا چکا ہے لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ جبر و تشدد کے ذریعے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں کئے جا سکے۔

یہاں ایک اور حقیقت کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے، عقیدے سیاسی نظریاتی افکار کی طرح نہیں ہوتے جو حکام کے بدلنے سے بدل جائیں، ماضی میں عقیدے سے متعلق بہت سے موقعوں پر صبر و استقلال اور ثابت قدمی کے واقعات تاریخ کے صفحات کی زینت بن چکے ہیں، مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں، اور ایسے واقعات اس نوع کے مضحکہ خیز اور لاحاصل کاموں سے روکنے کے لئے کافی ہیں، بہت سے ملکوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے مال، زر اور دوسرے پرکشش وسائل و ذرائع استعمال کئے گئے لیکن ان کی جو رپورٹیں آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ایجنسیوں کو مطلوبہ کامیابی حاصل نہیں ہو رہی ہے، اور جو لوگ مسیحیت قبول کر رہے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ظاہری طور پر عیسائی مذہب قبول کرتے ہیں اور بعد میں اس سے الگ ہو جاتے ہیں، عیسائی تنظیمیں عیسائیت کے فروغ کے لئے جو وسائل استعمال کر رہی ہے اس کے مقابلہ میں ان کی کامیابی معمولی ہے، دوسری طرف ایسی خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بڑی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔

عام طور سے جو لوگ اسلام سے مرتد ہوتے ہیں ان کی اکثر و بیشتر تعداد ایسے افراد سے تعلق رکھتی ہے جو فقر و فاقہ اور جہالت کی زندگی گذارتے ہیں، اس کا اعتراف خود عیسائی تنظیموں نے کیا ہے چنانچہ یہ لوگ خوف، پامالی و زر کی طمع میں دوسرے مذاہب اختیار کرتے ہیں ...

کا اسلام سے نہ تو کوئی ربط ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیمات سے واقفیت ہے، اور یہ وسائل صرف ایسے طبقوں اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ علاقوں و پس ماندہ گروہوں ہی میں کارگر ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ آزادانہ اور گروہی عصبیت سے بالاتر ہوکر اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں اور اسلامی و غیر اسلامی تعلیمات کا موازنہ کرتے ہیں وہ ہی اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں، جب مسلمانوں کے پس ماندہ طبقہ میں ارتداد کا واقعہ پیش آتا ہے تو اس کے پہلو بہ پہلو پڑھے لکھے طبقہ میں اسلام قبول کرنے کی رفتار روز افزوں نظر آتی ہے، اس طرح ارتداد اور قبول اسلام دو متوازی دھارے کی مانند نظر آتے ہیں، پھر بھی مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ ارتداد کے مقابلے کے لئے بیدار ہوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ روابط بڑھائیں اور انھیں اسلامی تہذیب و تعلیم سے آراستہ ہونے کا موقع دیں اور جب کوئی مشکل پیش آئے تو حل کریں اور ان کی نصرت و اعانت کریں، اسلامی رو سے ایسا کرنا واجب ہے، جن علاقوں سے ارتداد کی خبریں آئیں وہاں جاکر حالات معلوم کریں، اور وہاں کے مسلمانوں کو اسلام کی خوبیوں سے واقف کرائیں، اور تعلیم کا نظم قائم کریں۔

اصل کی طرف لوٹنے کی منطق مسلمانوں کے حق میں زیادہ جاتی ہے اور اگر اس منطق کو قبول کرلیا جائے تو اصل کی طرف لوٹنے کا مطالبہ کرنے کا زیادہ حق انھیں کو پہونچتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے:

"ما من مولود یولد علی الفطرۃ، فأبواہ یھودانہ أو ینصرانہ أو یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ جمعاء، ھل تحسون فیھا من جدعاء؟"

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اس کو یا تو یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں جس طرح چوپایا صحیح سالم چوپایہ جنتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص محسوس کرتے ہو؟

پھر اللہ رب العزت فرماتا ہے:

"فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔"

خدا کی بیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہیں چاہئے یہی سیدھا دین ہے۔

حدیث کی رو سے اسلام دین فطرت ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ۔"

تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہو اسی نے پہلے اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔" "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔"

یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

لیکن اسلام قبول کرنے کی دعوت کی راہ میں جبر و تشدد کو خود اسلام پسند نہیں کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔"

کیا آپ ان لوگوں پر زبردستی کرسکتے ہیں تاکہ وہ ایمان لے آویں؟

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا۔

دین میں کوئی زور و زبردستی نہیں ہے، ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے تو جو کوئی طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔

بقیہ: آسٹریلیا کے ۳ کروڑ مسلمان

.... یہاں ساز وسامان آلات و تعمیر سے متعلق میٹیریل فراہم کیا، اور زراعت و حیوانات سے متعلق مصنوعات تیار کرنے کے لیے چھوٹی کمپنیاں قائم کیں اور مستقل آبادیوں کی طرح بر اعظم کے مختلف مقامات پر بود و باش اختیار کرلی۔

(باقی آئندہ)

بقیہ: جوش خطابت

خاص طور پر جس ملک میں مختلف فرقے اور قومیں آباد ہیں اور جہاں حالات کی تبدیلی کے لیے جمہوری طریقے بھی موثر و مفید ہوں وہاں اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، بعض وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان قوم پیدائشی خطیب اور مقرر ہے اور اس کا ہر فرد پورے جوش و خروش کے ساتھ تقریر کرسکتا ہے، اس کے بالمقابل ہم دیکھتے ہیں کہ جن قوموں نے بڑے بڑے سیاسی معرکے سر کیے اور مخالف طاقتوں کو اپنے سامنے جھکالیا، انھوں نے اس سے کم جوش خطابت اور الفاظ کی بازیگری سے کام لیا اور وہ اب بھی متوازن و بقدر ضرورت خطابت سے بڑے بڑے مسائل حل کررہی ہیں لیکن ہماری قومی مجالس اور ان کی "دھواں دھار" تقریروں کے نتیجہ میں خود مسلمانوں کا مذاق اس گرم مسالہ اور تیز مرچ کھانے والے کا سا ہوگیا ہے، جس کو اس سے کم پر تسکین نہیں ہوتی۔

قوموں اور ملتوں کی زندگی میں جن کو اپنی باعزت ملی زندگی کے لیے ایک لمبی مسافت طے کرنی ہے بے ضرورت اور حد سے بڑھی ہوئی تیزروی جو تھوڑی مسافت میں تھکا کر بے دم کردے، کوئی دانشمندانہ عمل اور حقیقت پسندانہ مشورہ نہیں۔ اسی کے ساتھ وہ مسلمانوں کے داعیانہ و مصلحانہ مزاج و مقام سے بھی ہم آہنگ نہیں۔

اس حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت اور جوش خطابت کا ایک قدرتی و نفسیاتی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایسے کاموں سے مناسبت ختم یا کم ہوتی جارہی ہے جو صبر و استقلال، مسلسل جد و جہد اور ایک طویل المیعاد سعی و عمل کے محتاج ہیں۔ اور جن کے فوری نتائج نکلنے کا بہت کم امکان ہے۔ اور جو بعض اوقات پہاڑ تراش کر جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ان کو سر کٹا دینا اور گھر لٹا دینا آسان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ دن کسی تکلیف کو برداشت کرنا اور کسی کام میں محنت کرنا ان کے ملی مزاج کے خلاف ہوگیا ہے۔

یہ افتاد طبع اور ایک بڑے پیمانہ پر یہ صورت حال بڑی تشویش ناک ہے، اس لیے کہ قوموں اور ملتوں کو عزت کا مقام حاصل کرنے اور ملی مسائل کو حل کرنے اور اپنے ملی تشخصات کی حفاظت اور باعظمت صاحب دعوت، اور حامل پیغام ملت کی طرح زندگی گذارنے کے لیے فوری قربانیوں اور جوش و جذبات کے مظاہرے سے زیادہ خاموش، مسلسل جد وجہد اور صبر و استقلال کی ضرورت ہے۔

یہ مسلم حقیقت اور عالمگیر صداقت ہے کہ اقلیت کو عزت کے ساتھ زندگی گذارنے کے لیے اکثریت کے مقابلہ میں دوگنا بلکہ چہار گنا محنت اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی اصول پر ناگواری اور مجبوری کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہودیوں نے امریکہ میں، اور بیشتر امریکی، مغربی ممالک میں اپنی زندگی میں صلاحیت اور مشکل پسندی کا ثبوت دیا۔

بمبئی میں
خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات عمدہ ولذیذ سلیمانی افلاطون
ان کے علاوہ خصوصی پیشکش
ہر قسم کے تازہ وخستہ بسکٹ اور نان خطائیاں خریدنے کا قابل اعتماد مرکز!
سلیمان عثمان مٹھائی والے
منارہ مسجد کے نیچے بمبئی فون نمبر 320059
بیکری: ۳۴۳ محمد علی روڈ بمبئی ۳

جامعہ اسلامیہ مظفرپور

جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ کے اساتذہ وطلبہ کے سامنے مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید الرحمٰن ندوی کی تقریریں۔

تقریر مولانا سید محمد رابع صاحب

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور ہمارے محترم اور عزیز مولانا تقی الدین صاحب ندوی کی محبت اور تعلق ہے کہ مجھے یہاں الحمد للہ تیسری بار آنے کا موقع مل رہا ہے اور میرے لیے بڑی مسرت اور خوشی کی بات ہے کہ یہاں آکر اس جامعہ کو ترقی کرتے ہوئے اور اپنے مقاصد کی طرف رواں دواں دیکھ رہا ہوں۔

مسلمان جو کام کرتے ہیں ان میں غیر مسلموں کے برعکس دو مقصد ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ کامیاب ہوں اور اس سے جو فائدہ پہونچے وہ فائدہ پہونچنا چاہیے، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ مقبول ہوں، اور الحمد للہ یہ دونوں مقصد جامعہ کے پیش نظر ہیں اور انشاء اللہ یہ دونوں مقصد حاصل ہوں گے، مولانا تقی الدین صاحب نے اپنی تقریر میں اس کی طرف توجہ دلائی کہ انھوں نے جامعہ جو قائم کیا ہے وہ کسی دوسرے جامعہ کے مقابلہ میں یا اس کے حق کو کاٹنے کے لیے نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں کہ کسی کا یہ شبہ کرنا یا اس کا سوچنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ جامعات اس لیے قائم نہیں کیے جاتے کہ یہاں پر کوئی دکان قائم ہو رہی ہے، اس سے کاروبار ہوگا اور نفع حاصل کیا جائے گا، یہ جامعات قائم کیے جاتے ہیں دین کی خدمت کے لیے علم کی خدمت کے لیے اور مسلمان نسل کو تعلیم یافتہ بنانے کے لیے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے راستے سے واقف کرنے کے لیے یہ تو گاؤں گاؤں شہر شہر قائم ہوں تو بھی یہ نہیں محسوس کرنا چاہیے کہ کیسے فلاں جامعہ قائم ہوا اور کیوں قائم ہوا ہم دنیاوی درسگاہوں کو دیکھتے ہیں جو خالص دنیاوی غرض کے لیے قائم کی جاتی ہے، ایک ایک شہر میں چار چار چھ چھ قائم ہو جاتی ہیں ہر کسی شہر کا علم نام

لے سکتے ہیں اس میں مسلم غیر مسلم سب کی ہی ہیں، صرف مسلمانوں کی بھی کئی درسگاہیں اور ادارے قائم ملیں گے ان میں مقابلہ کا سوال نہیں اٹھتا بلکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ جتنے بھی مدارس قائم ہوں جتنے اسکول قائم ہوں جتنے بھی ادارے قائم ہوں اور جتنے جامعات قائم ہوں ان سے مسلمانوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ مدد ملے گی اور اس مقصد کو پورا کرنے میں آسانی ہوگی اسی طرح ہمارے جو عربی اور دینی جامعات ہیں کہ اگر ہر قصبہ اور شہر میں ایک ہوں تو مسلمانوں کی ضرورت اس سے کتنی پوری ہوسکتی ہے اور کس حد تک مسلمانوں کی علمی کمی پوری ہوسکتی ہے یہ جامعہ اسلامیہ جو قائم ہوا ہے یہ وقت کی شدید ضرورت تھی اور یہ انشاء اللہ اپنا پھل دے گا اور بجائے اس کے کہ کسی کو اس سے نقصان پہونچے میں سمجھتا ہوں کہ اس کو ترقی ہی حاصل ہوگی، اور اس مقصد کی تکمیل میں اس کو مدد ملے گی جس مقصد کی تکمیل کے لیے دوسرا جامعہ قائم ہوا ہے جو بھی دینی جامعات قائم ہیں اور گرد وہ سب اس مقصد کے لیے قائم کیے گئے ہیں کہ مسلمانوں میں اور مسلمان کی نئی نسل کو دینی تعلیم دلائی جائے اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کو ایسے علوم بھی سکھائے بتائے جائیں کہ جوان کے دنیا میں بھی کام آئیں گے اور آخرت میں بھی کام آئیں گے

ان درسگاہوں سے مسلمان ملت کی بڑی ضرورت پوری ہوتی ہے اور مجھے کی بات یہ ہے کہ اس ہندوستان میں کہ مسلمانوں کی حکومت نہیں ہے بلکہ ایک لامذہبی حکومت ہے، وہ تعلیم کو لامذہبی بنانا چاہتی ہے ان کے جو کام ہوتے ہیں سب اسی بنیاد پر ہوتے ہیں اب اگر ہم اپنے نوجوانوں کی تعلیم کی فکر نہیں کریں گے تو وہ مذہب سے بھی ناواقف رہیں گے اور دنیا میں بھی پیچھے رہیں گے۔

دنیاوی مدرسے اور اسکول جن میں بہت بڑی تعداد ہمارے نوجوانوں کی پڑھتی ہے، ان میں دین نہیں سکھایا جاتا بلکہ یہاں پڑھنے والے دین سے برگشتہ ہوجاتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کو پہچاننے سے برگشتہ ہوجاتے ہیں، اور اللہ اور اللہ کے رسول کی بتائی ہوئی باتیں جو بنیادی ہیں جن کو آدمی آسانی سے معلوم کرسکتا ہے، ان سے بھی ناواقف ہوجاتا ہے ایسی صورت میں ہمارے یہ دینی مدرسے ہماری تعلیم گاہیں اور جامعات شدید ضرورت کو پورا کرنے والی ہیں یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہ صحرا میں پانی کا چھوٹا سا چشمہ ہو اور میلوں اور سیکڑوں میل تک پانی نہ ملتا ہو تو لوگ اس چشمہ کی طرف دوڑیں گے کہ ہم پانی لیں، اور اگر دوسرا چشمہ بنا دیا جائے تو کیا لوگ یہ کہیں گے کہ آپ نے یہ چشمے کیوں بنائے پہلے سے چشمے موجود تھے کوئی یہ کہہ سکتا ہے؟ کوئی نہیں کہے گا کتنے ہی چشمے بنا دیے جائیں پانی کے وہ انسانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے ہوں گے اسی طرح جتنے مدارس قائم کیے جائیں وہ سب مسلمانوں کی دینی ضرورت کو پورا کرنے والے ہوں گے، اور یہ تو حوصلہ کی بات ہے، ہمت کی بات ہے کہ ملت کے اتنے بڑے مسئلہ کو ملت کی اتنی بڑی ضرورت کو پورا کرنے کی مولانا تقی الدین صاحب نے کوشش کی۔

تو ہم سب کے لیے بھی بڑی مسرت کی بات ہے اور جو لوگ دور رہتے ہیں ان کے لیے بھی مسرت کی بات ہے کہ ایک جامعہ کا اضافہ ہوا اور جو اس علاقہ میں رہتے ہیں ان کے لیے انتہائی خوشی و مسرت کی بات ہے کہ ان کے علاقہ میں ایک خزانہ تیار ہوا کا ہے کا؟ دین کا علم کا اور انسانیت کے درد کا اور اس سے دور دور فیض پہونچے گا، اور طلبہ سے میں کہتا ہوں کہ وہ یہ سوچیں کہ وہ اس جامعہ میں پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ یہاں آئے اور یہاں کے نظام سے یہاں کی تعلیم سے ان کو فائدہ پہونچ رہا ہے کہ جس سے وہ بہت کچھ صلاحیت حاصل کرسکیں گے، ہر جامعہ کی ایک خصوصیت ہے ہر جامعہ کے کچھ وسائل ہیں، اور کچھ اس کی خصوصیات ہیں، جیسے ایک انسان کا دوسرے انسان سے فرق ہوتا ہے ایک انسان دوسرے انسان سے اپنی صلاحیت میں مختلف ہوتا ہے اسی طرح تعلیم گاہوں میں فرق ہوتا ہے، بعض تعلیم گاہیں خاص انداز کی ہوتی ہیں خاص فائدہ پہونچاتی ہے، بعض تعلیم گاہیں دوسرے انداز سے فائدہ پہونچاتی ہے تو جو یہاں کے مخصوص فائدے ہیں یہاں کے مخصوص جو خیرات ہیں وہ انشاء اللہ آپ کو حاصل ہوں گے، آپ یہاں آئے تو یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی اور آپ کو سعادت بھی عطاء فرمائی کہ آپ اس جامعہ میں آئے اور آپ یہاں سے مستفید بھی ہورہے ہیں آپ اس کی قدر کیجئے اور خوشی محسوس کیجئے اور جامعہ کی طرف سے جو بھی ذمہ داری ڈالی جائے جو بھی مطالبہ ہو اس کو آپ بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ، محنت کے ساتھ پورا کیجئے اور اساتذہ سے فائدہ اٹھائیے، اور اس علم کی اور اپنی اس مشغولیت کی قدر کیجئے انشاء اللہ اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی دے گا اور آپ اس کا فائدہ دیکھیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تقریر مولانا سید الرحمٰن صاحب ندوی

الحمد للہ الذی وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

اما بعد!

جناب مولانا تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ العالی، حضرات اساتذہ اور طلبہ عزیز! میرے لیے انتہائی مسرت، عزت اور شرف کی بات ہے کہ اس "جامعہ" میں دوسری بار حاضری ہوئی، حقیقت میں مولانا نے اس جامعہ کو قائم کرکے اس علاقہ میں بڑا قابل رشک کارنامہ انجام دیا ہے اور اس سے ہم پست ہمتوں کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں، میں نے جب تک جامعہ کو دیکھا نہیں تھا اس وقت تک کچھ اندازہ نہیں تھا، لیکن یہاں آکر اور اس کی پرشکوہ عمارتوں کو دیکھنے کے بعد محسوس ہوا کہ ہم بہت ہی پست ہمت ہیں۔ مولانا بہت ہی بلند ہمت ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی بلند ہمتی سے زیادہ سے زیادہ دین کا کام لے۔

میرے بزرگو اور دوستو! ہم سب لوگوں کے لیے یہ خوشی کی بات ہے بلکہ قابل فخر ہے کہ اللہ نے ہم کو یہاں پڑھنے پڑھانے کے کاموں میں مشغول کیا، اور علم دین کے اس مرکز کی طرف ہمارا انتساب ہوا، جو طلبہ علم دین سیکھنے آئے ہیں ان سے یہی عرض کرنا ہے کہ علم کو با مقصد بناکر اور اس کی روح کے ساتھ اس کو سیکھیں، یہاں فاضل اور لائق اساتذہ موجود ہیں، مولانا خود سرپرستی فرماتے ہیں اور ان کے قیمتی مشورے آپ کو

حاصل ہیں، اسی کی وجہ سے آپ زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو یہاں فائدہ پہونچا سکتے ہیں، اور جس مقصد کے لیے آئے ہیں اس مقصد کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کر سکتے ہیں، آپ علم کو اس لیے حاصل نہ کریں کہ علم سے آپ مادی فائدہ اٹھائیں اور آپ کی شہرت ہو، بلکہ آپ کا علم علم نافع ہونا چاہیے، جس سے خود آپ کو بھی فائدہ پہونچے اور آپ کے ذریعہ دنیا کے تمام افراد کو فائدہ پہونچے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی زندگی آخرت کی تیاری کے لیے وقف ہو جائے، اسی لیے اس علم کو حکمت کہا گیا ہے۔ "یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ" حکمت سے جیسا کہ عام مفسرین نے مراد لیا ہے علم نافع ہے، جو دنیا اور دین دونوں کے لیے نفع بخش ہو، اس لیے کہ بہت سے علوم ایسے ہیں کہ جن کے اندر دنیا میں نفع پہونچانے کی صلاحیت موجود ہے لیکن آخرت کے لیے وہ زیادہ نافع نہیں ہوتے یوں انسان اگر اس کو بھی نیک مقصد سے حاصل کرتا ہے تو اس سے بھی وہ فائدہ حاصل ہوتا ہے، لیکن حکمت سے خاص طور سے علم دین کو لوگوں نے مراد لیا ہے کہ حکمت جن کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں وہ بہت کامیاب ہیں، اور ان کا تعلق بھی ان سے ہے جو عقل رکھتے ہیں اور جس کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ علم نافع عطا فرمایا ہے وہ قابل رشک ہیں قابل فخر ہیں، اس لیے علم کو برائے علم حاصل کرنا کچھ بھی مفید نہیں ہے، علم کو اس لیے حاصل کریں تاکہ آپ اپنی زندگی کو بھی بنا سکیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچا سکیں۔

اس دنیا میں انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اس مقصد کو پورا کرنے اور اس کو بروئے کار لانے کے لیے ہمیں علم کی ضرورت ہے، بغیر علم کے ہم کوئی کام نہیں کر سکتے نہ اپنی زندگی بنا سکتے ہیں نہ دوسروں کی زندگی بنا سکتے ہیں، اور نہ اپنی سیرت کو بہتر طریقہ سے جو قابل تقلید ہو لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، اس لیے اس علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حاصل کریں، اور یہ سمجھیں کہ علم اللہ کا نور ہے، اور جس کو علم کی روشنی حاصل نہ ہو اس کو علم سے فائدہ نہیں پہونچ سکتا ہے۔

فان العلم نور من اللہ

ونور اللہ لا یعطی لعاصی

حضرت وکیع نے فرمایا تھا اپنے شاگرد سے کہ علم اللہ کا ایک نور ہے اس لیے اسی کو نور سمجھنے کی کوشش کیجیے، علم وہ نور ہے کہ اگر آپ نے اس کو حاصل کر لیا تو اس سے آپ کی زندگی بھی منور ہوگی اور آپ کے ذریعہ پوری دنیا میں روشنی پھیلے گی، ہر طرف اچھے اخلاق ہوں گے ہر طرف اچھی سیرت و کردار کے حاملین پیدا ہوں گے، لیکن اگر علم بغیر نور کے ہے تو اس سے تاریکی پھیلے گی اور بجائے فائدہ پہونچنے کے اس سے اور زیادہ نقصان پہونچے گا، اور کبھی کبھی تو دیکھا گیا ہے کہ صاحب علم اپنے کو تاریکی میں رکھتا ہے اور اس کی زندگی کو اس سے بہت زیادہ نقصان پہونچتا ہے، اور لوگ اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کو دیکھ کر اس سے نفرت کرتے ہیں، اس لیے کہ اس نے علم کو علم کے لیے حاصل کیا، اللہ کی رضا کے لیے، اپنی سیرت کی تعمیر کے لیے، نہیں حاصل کیا، اور اس کو دنیا کے اندر جو ذمہ داری سونپی گئی ہے اس ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے حاصل نہیں کیا، بلکہ صرف اس لیے حاصل کیا تاکہ شہرت ہو، اس کے دل کو اس سے خوشی ہو کہ میں عالم ہوں، میں نے بہت محنت کی ہے، اور میں نے بڑی بڑی جامعات کے اندر پڑھا ہے میرے پاس بہت سی ڈگریاں اور سندیں ہیں، اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، فائدہ تو اس میں ہے کہ آدمی کے پاس چاہے سند ہو یا نہ ہو اور ڈگری ہو چاہے نہ ہو اور اس کو لوگ عالم کہیں یا نہ کہیں، لیکن اس کا دل مطمئن ہو کہ اس نے علم حاصل کیا ہے، تاکہ اس سے اللہ کی معرفت حاصل ہو، اور اللہ سے تعلق، اللہ کی محبت اللہ کی رضا حاصل ہو، جس علم سے یہ فائدہ پہونچے وہی علم مفید ہے، یہ جامعہ اسی لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ یہاں سے آپ علم نافع حاصل کریں۔

لہٰذا اس کو حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو با مقصد بنانا ہوگا اس علم کی روشنی حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی ہوگی، جس ادارے میں آپ وقت گذار رہے ہیں اس کی قدر پہچانیں یہاں جو آسانیاں اور وسائل موجود ہیں ان کی قدر کیجیے اور ان کو اللہ کی ایک خاص نعمت سمجھیے، تاکہ اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو، اور لوگوں کو فائدہ پہونچانے کی صلاحیت آپ کے اندر پیدا ہو، آپ

اس پیغام کو عام کر سکیں جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے تھے، اور اپنی ذمہ داری کو آپ سمجھ سکیں، کہ آپ کی ذمہ داری کیا ہے دنیا کے اندر؟ اور پھر آخرت کا آپ کو یقین ہو ایسا نہ ہو کہ آپ نے علم حاصل کر لیا لیکن آخرت کا یقین پیدا نہ ہو سکا، اور آخرت کا ایک دھندلا سا تصور آپ کے ذہنوں میں باقی رہا آپ سمجھتے ہیں کہ انسان دنیا کے اندر زندہ رہتا ہے، فائدہ حاصل کرتا ہے پھر اس کے بعد وہ دنیا سے چلا جاتا ہے، اور آخرت کی فکر اور اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ" کہ ان کا علم آخرت کے بارے میں بہت گر چکا ہے، یعنی علم ہے لیکن آخرت کے بارے میں ان کو یقین نہیں ہے، اور آخرت کے بارے میں نہایت شک میں مبتلا ہیں۔

میرے عزیز طلبا! آپ علم حاصل کریں دنیا کو بھلائی سے سنوارنے کے لیے اور آخرت کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کے لیے کہ اصل زندگی وہی ہے وہاں پہونچ کر جنت کی جو نعمتیں اور راحتیں حاصل ہوں گی اس کو کوئی بیان نہیں کر سکتا، اس دنیا کے اندر انسان کی جو ذمہ داری ہے اس ذمہ داری انجام دینے کے لیے آپ اپنے آپ کو تیار کریں تاکہ آپ کے ذریعہ سے دوسرے لوگ بھی تیار ہوں، آپ کو دیکھ کر آپ کے کردار کو دیکھ کر لوگ متاثر ہوں، اور آپ کو دیکھ کر کے لوگ آپ کی تقلید کی تمنا کریں اور کہیں کہ فلاں عالم جو فلاں ادارہ کے اندر درس دیتے ہیں حدیث کا، قرآن کا اور تفسیر کا، اور فقہ کا، وہ قابلِ تقلید ہیں، اور ہمیں ان سے ملنے کا جی چاہتا ہے، اور ان سے مل کر ہمیں فائدہ ہوتا ہے، اور ان کے نزدیک ہم بیٹھتے ہیں تو ہمارے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے جب لوگ آپ کے بارے میں یہ گواہیاں دینے لگیں تب آپ سمجھئے کہ آپ نے علم کی روشنی حاصل کر لی۔ ع

یہ آدمی ہے وہ پروانہ شمع حکمت کا
جو روشنی میں رہے روشنی کو پا نہ سکے

شمع حکمت کا پروانہ آپ ضرور بنیں اور روشنی میں رہ کر کے آپ اس روشنی سے پوری طرح مستفید ہوں وہ پروانہ نہیں کہ جو روشنی میں رہ کر جل بھن جاتا ہے، آپ اس روشنی سے خود بھی مستفید ہوں اور زیادہ سے زیادہ دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائیں، اساتذہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیے مولانا تشریف رکھتے ہیں، ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیے، آپ کو جو آسانیاں یہاں حاصل ہیں وہ دوسرے اداروں میں نہیں ملتی ہیں، لہٰذا ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیجیے، بس میں انھیں چند الفاظ پر اور آپ حضرات کے شکریہ کے ساتھ خصوصاً اپنے محترم دوست مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ کے شکریہ کے ساتھ اپنی مختصر بات ختم کرتا ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

دعائے مغفرت

● تعمیر حیات کے قدر داں اور مستقل قاری جناب حافظ عبدالمحیط صاحب (پرتاپ گڑھ) ۳۰ راگست ۹۳ء کو انتقال فرما گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایڈیٹر تعمیر حیات کے ماموں زاد بھائی اور استاذ بھی تھے۔ عرصہ تک بھوساول کی ہندوستانی مسجد میں امام رہے قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

● دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طالب علم محمد شاہد (درجہ عالیہ ثانیہ شریعہ) کے والد کا ۲۰ ر ستمبر ۹۳ء کو انتقال ہو گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

انصاف کیلئے جرأت و اسیری کی ایک سبق آموز مثال

پروفیسر محمد اجتبا ندوی — صدر شعبہ اردو و فارسی الہ آباد یونیورسٹی

شمالی افریقہ کا حکمراں محمد بن اغلب اپنے علم و فضل، فہم و صلاح اور شان و شوکت کی بنا پر بڑی شہرت اور مقبولیت کا مالک تھا، اس کی فوجیں تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار ابن الربیع کی قیادت میں مسلسل فتح و کامرانی حاصل کر رہی تھیں، اسی دوران ابن الربیع نے ایک زبردست معرکہ میں فتح حاصل کی اور بہت ہی قیمتی تحفوں اور بے شمار مال غنیمت کے شہر میں داخل ہوا، اس کے ہمراہ چند آزاد اور شریف خواتین بطور قیدی لائی گئی تھیں جنھیں ابن الربیع نے اپنے محل میں بھجوا دیا، عوام نے اس کا شاندار استقبال کیا، نعروں ڈھول تاشوں اور نقاروں کی آوازسے شہر گونج اٹھا، امیر محمد بن اغلب نے حکم دے رکھا تھا کہ فتح یاب و کامراں کمانڈر کا شایان شان استقبال کیا جائے اور شاندار جشن منایا جائے، شہر کی پوری آبادی جشن و مسرت میں مگن تھی ادھر عدل و انصاف کے پیکر اور حق گوئی و بے باکی سے بہرہ ور قاضی القضاۃ سحنون اپنی عدالت میں رونق افروز ہیں، اتنے میں ان کا خاص قابل اعتماد نمائندہ عدالت میں داخل ہوتا ہے اور قاضی صاحب کے قریب پہونچ کر انھیں اطلاع دیتا ہے کہ سپہ سالار اعظم ابن الربیع مال غنیمت میں کچھ آزاد اور شریف عورتوں کو قیدی بنا کر لایا ہے، قاضی سحنون خبر سن کر بے چین ہو گئے، کیا یہ ممکن ہے کہ ابن الربیع آزاد عورتوں کو قیدی بنا کر لائے، میرے ہوتے ہوئے ایسا ظلم نہیں ہو سکتا، اسی اثنا میں ان کے صاحبزادہ محمد عدالت کے کمرہ میں داخل ہوئے تو والد کو غضبناک حالت میں پایا، صورت حال معلوم کرنے کے بعد کہا کہ ابا جان! آپ کر کیا سکتے ہیں؟ ابن الربیع میدان جنگ سے فتحیاب ہو کر واپس ہوا ہے حکومت اس کی پورے طور پر ممنون، محافظ اور سرپرست ہے، امیر کھلے عام اس کی مخالفت نہیں کر سکتا ہے، قاضی سحنون نے بھی معاملہ

کی نزاکت پر غور کیا اور اس کے بعد عدل و انصاف کے تحفظ اور ناموس شریعت کی نگہبانی کی خاطر ایک اٹل فیصلہ کیا، دار القضاء کے معاونوں کو بلوایا، اور ان سے کہا کہ محافظین عدل کی ایک جماعت ایک ہزار نوجوانوں پر مشتمل تیار کریں، معاونوں نے شہر کے لوگوں سے حقیقت حال بیان کی تو ایک ہزار مسلح طاقتور نوجوان قاضی سحنون کی خدمت میں حاضر ہو گئے، قاضی صاحب نے ان میں سے سٹو نوجوانوں کو منتخب کیا اور باقی کو بطور احتیاط روک لیا، ان منتخب نوجوانوں کو حکم دیا کہ وہ رات تک ان کے حکم کا انتظار کریں، نوجوانوں کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ انھیں کیا کرنا ہے۔ قاضی سحنون نے عقبہ بن نافع کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی اس کے بعد ان منتخب نوجوانوں سے فرمایا:—

"میں شرعی فریضہ کے بموجب تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم اسی وقت سپہ سالار ابن الربیع کے گھر جاؤ اور دروازہ پر دستک دو، جب دروازہ کھل جائے تو میرا سلام کہو اور اس کے بعد میرا پیغام پہونچاؤ کہ گرفتار شدہ قیدی خواتین کو رہا کر دیں، اور اس کا خیال رکھو کہ وہ دروازہ بند نہ کرنے پائے ورنہ وہ اپنے ہمنواؤں کے ساتھ تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے موقع پا جائے گا اور اس کے نتیجہ میں خونریزی ہوگی جو مناسب نہیں ہے، اگر وہ میرے اس پیغام کو نہ مانے اور انکار کرے تو تمہارے سات بزرگ اشخاص اندر داخل ہو کر آواز دیں: "اے گرفتار شدہ آزاد عورتو! قاضی نے تمہیں اپنے یہاں پہونچنے کا حکم دیا ہے اس لیے تم نکل آؤ"۔ جب وہ عورتیں نکل آئیں تو ان کو میری مجلس میں حاضر کرو۔ قاضی صاحب کا دستہ سپہ سالار اعظم کے محل پہونچا اور معمولی سے مقابلہ کے بعد عورتیں قاضی صاحب کی مجلس میں پہونچا دی گئیں۔

سپہ سالار ابن الربیع اسی وقت امیر کے محل کی جانب روانہ ہو گیا مگر دروازے بند ہو چکے تھے اس نے رات محل کے دیوار سے ٹیک لگا کر گذار دی صبح سویرے کپڑے پھاڑ کر روتا ہوا امیر محمد بن اغلب کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری کہانی سنائی اور کہا کہ قاضی سحنون کو اس ذلت رسانی کی سزا دیں اور عورتوں کو واپس دلائیں، امیر نے قاضی صاحب کے نام فوری مراسلہ لکھا اور حکم دیا کہ ابن الربیع کے مطالبے پورے کریں، قاضی صاحب نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں ان عورتوں کو ہرگز واپس نہ کروں گا، خواہ مجھے عہدۂ قضاء سے معزول کر دیا جائے، پھر انھوں نے اپنے صاحبزادہ محمد کو بلایا اور ان کو اس کا جواب لکھ کر دیا اس میں لکھا کہ:

"اے میری قوم میں تو تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلا رہے ہو، تم مجھے خدا سے کفر و شرک پر آمادہ کر رہے ہو، میں تمہیں سب سے زیادہ معاف کرنے والے غالب و برتر کی جانب دعوت دیتا ہوں، بلاشبہ تم جس بات کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو اس کا دنیا و آخرت میں کوئی وزن نہیں ہے، ہم سب خدا سے جا ملنے والے ہیں اور ظلم و زیادتی کرنے والے ہی جہنم کے ایندھن بنیں گے"۔

قاضی سحنون نے اپنے صاحبزادہ محمد کو امیر محمد بن اغلب کے پاس روانہ کیا اور خود وصیت نامہ تیار کیا، اور اپنی بیٹی خدیجہ کو گھریلو معاملات کے بارے میں ہدایتیں دیں، قاضی سحنون کے ہمنواؤں کا خیال تھا کہ امیر خط پڑھ کر اپنے سپہ سالار کی حمایت میں قاضی سحنون کو معزول کر کے گرفتار کرے گا یا اس سے بڑی سزا دے گا، گرفتار شدہ عورتیں رہائی اور خلاصی کی منتظر تھیں، عوام سوچ رہے تھے کہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے، انصاف اور سرکار کا ہولناک معرکہ ہے، امیر کے سامنے دو راستے ہیں اگر سپہ سالار ناراض ہو جاتا ہے تو فوج غضبناک ہوگی اور بغاوت کا خطرہ ہے، اور اگر وہ قاضی صاحب کو ناراض کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے اور عوام مشتعل ہو جاتے ہیں، اسی لمحہ محمد بن سحنون خط لے کر پہونچتے ہیں، قاضی صاحب کے استعفا کی جانب بھی اشارہ کرتے ہیں، امیر محمد ابن اغلب نے خط پڑھا اور بغیر کچھ کہے گھر میں داخل ہو گیا اور تین روز تک نہ گھر سے نکلا اور نہ کسی سے بات کی، ادھر محمد بن سحنون جواب کے اور سپہ سالار ابن الربیع فیصلے کے انتظار میں رہے، تین روز کی روپوشی کے بعد امیر ابو العباس محمد نکلے اور فوراً سپہ سالار ابن الربیع کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ تم جو چاہو لے لو مگر عورتوں کی واپسی اور قاضی سحنون سے تعرض اور مقابلہ سے دست برداری اختیار کر لو، سپہ سالار ابن الربیع نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا، تو امیر نے محمد بن سحنون کو بلا کر کہا کہ: "اپنے والد کو میرا سلام کہو اور کہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے پہلے بھی اور اس وقت بھی بہترین اقدام اور کارنامے انجام دیئے ہیں آپ اپنا کام جاری رکھیں اور استقامت دکھلائیں"۔ قاضی سحنون نے یہ پیغام سن کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا، قیدی عورتوں کو ان کے گھر بحفاظت بھجوایا اور عوام و نوجوانوں کو واپس بھیج دیا۔

حسرت طیبہ

عطا عابدی

خواہشِ دیدِ کعبہ پھر اس بار بھی دل کے افسوس دل میں دبی رہ گئی
قافلہ حاجیوں کا رواں دیکھ کر آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی رہ گئی

حاجیو! ہو مبارک یہ حج کا سفر ہو مبارک خدا کا یہ گھر دیکھنا
مجھ کو تو سال بھر ہے یہ دیکھنا جذبۂ دل میں کیا کمی رہ گئی

پہنچو ارض مقدس پہ جب حاجیو یہ دعا کرنا تم با ادب حاجیو
اس تمنائی جانب ہو چشم کرم وقت کی دھوپ میں جو جلا رہ گئی

جذبۂ عشقِ طیبہ ہے صادق مرا نیت دل ہے میری ادا خدا
اوج پر کل کو ہوگا نصیب مرا بس ابھی دید کی تشنگی رہ گئی

دل کسی شے پہ آئے تو کیسے بھلا لطف جینے کا آئے تو کیونکر یہاں
خواہشِ دیدِ کعبہ کی تکمیل پر منحصر جب عطا ہر خوشی رہ گئی

افغان شتربانوں نے آسٹریلیا میں اسلام کا چراغ روشن کیا

آسٹریلیا کے ۳ کروڑ مسلمان زوال سے عروج کی طرف

تلخیص و ترجمہ: محمد مصطفیٰ خاں علیا اوالی شریعہ

آسٹریلیا میں اسلام کی تاریخ خود آسٹریلیا ہی کی طرح بہت قدیم ہے۔ لیکن دوسری مرتبہ کے دریافت کو دیکھتے ہوئے اس کی تاریخ نئی بھی ہے۔

انکشافات کے ان دونوں مرحلوں کے بیچ اونچے پہاڑ، آتش فشاں، اور گہرے خلیج نے اس کو دنیا سے بالکل الگ کر دیا تھا پھر بھی وہاں اسلام زندہ رہا۔

اس انکشاف کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا، مسلمان یورپی مہاجرین کی پہلی ٹیم کے ساتھ یہاں آئے، جو ان علاقوں کا انکشاف کرنے اور نئی سامراجیت کے لیے اس کا انتخاب کرنے آئی تھی۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ آسٹریلیا انکشاف کے لحاظ سے دنیا کا سب سے نیا براعظم ہے۔ اس لیے کہ اس کا انکشاف سترہویں صدی میں ہوا، ...

ہوتے ہیں۔ ان کی پیشانیاں تھوڑی پیچھے کی طرف جھکی ہوتی ہیں۔ آنکھیں گہری اور ناک کا نچلا حصہ چپٹا ہوتا ہے۔ منہ کشادہ اور ہونٹ اکثر لمبے ہوتے ہیں۔

بہرحال ان آسٹریلیائی باشندوں کی اصل سے متعلق مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ یورپی ہالینڈ کے افراد نے سب سے پہلے ۱۶۰۶ء میں اس براعظم کا انکشاف کیا، اور اس کا نام ...... نیو لینڈ رکھا، لیکن چونکہ وہ ایشیا کے زرخیز اور وسیع علاقوں کی نوآبادیات میں مشغول تھے مثلاً انڈونیشیا اور ہندوستانی جزائر، اس لیے انھوں نے اس سے بے اعتنائی برتی، اور یہ مسلسل ۱۷۷۰ء تک بے توجہی کا شکار رہا۔ یہاں تک کہ "جیمس کوک" انگریز نے یہاں کا سفر کیا اور اس کے گرد و نواح کی سیر کی، اور چند دوسری بندرگاہوں کا بھی پتہ لگایا اس کے قابل زراعت و آباد علاقوں کا بھی ...

پہلا عہد: مسافروں کا عہد

۱۸۴۳ء میں برطانیہ کے مستقل باشندوں کو آسٹریلیا کی طرف ہجرت کی اجازت ملنے کے بعد انقلاب پسند اور جانبازی کے شیدائیوں کی ٹیم یہاں آئی، اور بے شمار سائنس داں اور ماہرین انکشافات، نقب اندوزی کرنے والوں اور سیاحوں نے ہجرت کی، نیز فرقہ وارانہ مظالم سے راہ فرار اختیار کرنے والے جیسے کیتھولک اور سیاسی مظالم سے پناہ لینے والے جیسے کہ اسکاٹ لینڈ اور آئرش باشندوں نے اس کو اپنا وطن بنانا شروع کیا۔ نئے آنے والوں اور قید و جلاوطنی سے رہا ہونے والوں نے براعظم کے مشرقی جنوبی اور مغربی سواحل کو اپنی قیام گاہ بنایا۔ اس لیے کہ یہاں پانی کی فراوانی تھی اور زمین بھی کاشتکاری کے لائق تھی۔ دوسری طرف سمندری ...

اسلام کے تین مرحلے:-

[illegible]

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

✽ چیکوسلواکیہ کی ۷۴ سال سے قائم فیڈریشن کو ۳۱ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یکم جنوری ۱۹۹۳ء کو دو نئے ممالک چیک اور سلواک وجود میں آجائیں گے۔

✽ امریکہ اور روس ایک مشترکہ پروگرام پر عمل کر رہے ہیں تاکہ انسان کو مریخ پر بھیجا جائے اس سال امریکہ ایک خلائی طیارہ روانہ کرے گا اور ۱۹۹۴ء میں روس خلائی طیارہ بھیجے گا۔ واضح رہے کہ ان دونوں میں روبوٹ یعنی مشینی انسان سوار ہوں گے اس مہم میں چاند کو بطور اسٹیشن استعمال کیا جائے گا۔ ۲۰۰۳ء تک اس کے نتائج ملنے کی امید ہے۔

✽ کینیا کی حکومت نے یہاں کے مسلمانوں کی سیاسی جماعت اسلامک پارٹی آف کینیا (آئی۔ پی۔ کے) کے نام سے رجسٹریشن دینے سے انکار ...

تبدیلی دفعہ ۱۰۹ کے تحت اس وقت ممکن ہے جب اس کے پانچ مستقل ممبر راضی ہوں اور یہ ویٹو کا حق امریکہ، روس، چین، فرانس اور برطانیہ کو حاصل ہے۔

✽ وزیر اعظم بیگم خالدہ ضیاء نے اپنی پارٹی کے طلباء محاذ کی مرکزی کمیٹی کو توڑ دیا ہے اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں اس پر مکمل پابندی عائد کردی ہے۔

✽ ایران نے ۱۹۷۱ء میں شارجہ سے جزیرہ ابو موسیٰ کے بعض حصوں کو اور راس الخیمہ سے جن دو جزیروں کو چھین لیا تھا یہ کہہ کر دینے سے انکار کر دیا ہے کہ یہ تینوں جزیرے درحقیقت ایران کی ملکیت ہیں۔

✽ برلن میں یہودیوں کی یادگار کو جرمنی مظاہرین نے تباہ و برباد کر دیا ہے۔

✽ اسرائیل نے مشرق وسطیٰ میں امن بات ...

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت و فکر اسلامی کانفرنس

دعوت اسلامی اور اس کی کامیابیاں: تاریخ کے آئینہ میں

زیر صدارت: حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بتاریخ: ۱۴/ ۱۵/ ۱۶/ نومبر ۱۹۹۲ء بمقام: رائے بریلی اتر پردیش (بھارت)

انسانیت ہمیشہ فتنہ و فساد کا شکار رہی ہے۔ خواہشات نفس، خود غرضی و خود پسندی، کوتاہ نظری، مادہ پرستی و جاہ پرستی اور انحراف و کجروی اس کے اندرونی اسباب رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ سماجی بگاڑ، تعلیمی و تربیتی نقص فطری اصول و قوانین کی خلاف ورزی اس کے ظاہری عوامل و محرکات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

[illegible]